نکاتِ قرآن

مولانا حافظ محمد اسلم جیراجپوری

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

Marfat.com

Marfat.com

نکاتِ قرآن

مولانا حافظ محمد اسلم جیراجپوریؒ

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی

Marfat.com

© محمد وسیم جیراجپوری

115344

صدر دفتر

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025

شاخیں

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، بھوپال گراؤنڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار۔ جامع مسجد دہلی۔110006

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنس بلڈنگ۔ ممبئی 400003

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ یونی ورسٹی مارکیٹ۔ علی گڑھ۔202002

تقسیم کار:

محمد وسیم جیراجپوری، 274 اسلم منزل، اوکھلا، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۲۵

نیا اڈیشن: مارچ ۲۰۰۹ء تعداد: 500 قیمت:-/125 روپے

لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس۔ دریا گنج۔ نئی دہلی ۲ میں طبع ہوئی

Marfat.com

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ

میں نے جب علما ومعانی وبیان کی تفسیریں مطالعہ کیں تو ان میں جا بجا نکتے نظر آتے جو انھوں نے قرآن سے نکالے ہیں اور دلکش معلوم ہوئے۔ میری خواہش ہوئی کہ میں اردو خواں طبقہ کے لیے اس قسم کے نکات کا ایک مجموعہ مرتب کروں تاکہ ان کو قرآن کے ساتھ دلچسپی ہو۔ مگر ان تفسیروں میں جو نکتے ملے وہ زیادہ تر قرآن کے الفاظ اور عبارت سے متعلق تھے جو صرف عربی دانوں کے لیے کارآمد ہو سکتے ہیں اور جو معنوی نکتے ہیں ان میں ان حضرات نے زیادہ تر روایات سے کام لیا ہے جس کو میں آیات کی تفسیر میں جائز نہیں سمجھتا کیونکہ روایات غیر یقینی ہیں ان سے آیات کی قطعیت کھوئی جاتی ہے۔ خاص کر تفسیری روایتیں تو خود ائمہ حدیث کے نزدیک بے بنیاد ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو امیر المومنین فی الحدیث کہے جاتے ہیں ان کا قول ہے:

تین کتابیں ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں (۱) ملاحم (پیش گوئیاں)، (۲) مغازی (لڑائیاں) اور (۳) تفسیر (تذکرۃ الموضوعات ۸۲)

اس وجہ سے ان تفسیروں سے بہت کم چیزیں مجھے مل سکیں لیکن ان سے نکتہ نکالنے کا انداز میری سمجھ میں آ گیا۔ اور قرآن کریم کے بحر زخار سے اس قسم کے موتی میں نے خود بھی نکالنے شروع کیے اور یہ مختصر سا مجموعہ مرتب کر لیا میں نے خاص طور پر خیال رکھا کہ صرف ایسے ہی نکات لکھے جائیں جن سے پڑھنے والوں کو قرآنی تعلیم کی کوئی نہ کوئی حقیقت ضرور معلوم ہو خواہ وہ مختصر ہی کیوں نہ ہو، اس میں غیر قرآنی کوئی چیز نہیں ہے۔ سوالات بھی قرآن

Marfat.com

ہی سے ہیں اور جوابات بھی۔ جو کچھ لکھا گیا ہے نہایت اختصار کے ساتھ لکھا گیا ہے اور ہر بات کی سند آیت سے دی گئی ہے۔ جو بات قرآن کی نہیں ہے وہ نیچے حاشیہ میں لکھی گئی ہے۔

ہمارے ملک میں جو مصاحف چھاپے جاتے ہیں۔ ان میں اب تک آیتوں کے شمار نہیں دیے جاتے ہیں۔ اس لیے میں نے ہر آیت کے ساتھ سورۃ کا نام اور اس کے جس رکوع میں وہ ہے اس کا شمار لکھ دیا ہے کہ مراجعت میں آسانی ہو۔ سوالات بھی آیتوں سے شروع ہوتے ہیں اس لیے ہر سوال کی علامت س پر اس رکوع کا شمار دے دیا ہے جس میں وہ آیت ہے۔ رکوع کی علامت ہے آیتوں کے نقل کرنے میں میں نے بہت اختصار سے کام لیا ہے یعنی ان کے صرف اتنے ہی حصے لیے ہیں جتنے کی موقع کے لحاظ سے ضرورت تھی۔ مطالعہ کے وقت اگر قرآن سامنے رکھ لیا جائے تو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

آیتوں کے ترجمے میں نے خود کیے ہیں۔ بعض بعض الفاظ میں شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ سے مدد لی ہے کیونکہ الفاظ کی تلاش میں انھوں نے بڑی دقتِ نظر سے کام لیا ہے۔ ترجمہ میں کہیں کہیں کوئی زائد لفظ بھی نظر آئے گا لیکن وہ اسی آیت کے متعلقات سے ماخوذ ہے۔ میں نے اپنی طرف سے نہیں بڑھایا ہے۔ میرے پیش نظر یہی چیز رہی ہے کہ آیت کا صحیح مفہوم ادا ہو جائے۔

قرآن میں کہیں کہیں غامض اور مشکل عبارتیں ہیں۔ میں نے ان کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ وہ نکات قرآن میں نہیں آتیں بلکہ وہ مشکلات قرآن ہیں۔ ان کے اوپر اگر زندگی نے مہلت دی تو ایک جداگانہ رسالہ لکھنے کا ارادہ ہے۔ واللہ المستعان

محمد اسلم

جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

۱۵/مارچ ۱۹۵۲

Marfat.com

پیش لفظ

مولانا اسلم جیراجپوری ایک جید عالم، مفسر، مورخ اور مترجم کی حیثیت سے درجنوں کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی تصنیفات ان کے ذہنی ارتقا کی آئینہ دار ہیں۔ انھوں نے جس میدان میں لکھا مکمل اور مستند لکھا اور جس موضوع پر لکھا فاضلانہ اور محققانہ لکھا۔ انھیں قرآن سے خاص شغف تھا اس لیے اس کے متعلق جو کچھ لکھا وہ ان کی والہانہ عقیدت ''دیدہ وری'' اور اجتہاد کا بین ثبوت ہے۔

علوم اسلامی اور عربی و فارسی زبان و ادب پر مولانا کی نظر بہت گہری تھی۔ تاریخ القرآن اور ''تاریخ الامت'' متعدد بار شائع ہو چکی ہیں۔ بایں ہمہ قرآن علوم کی تفہیم و تشریح تو ان کا علمی اثاثہ تھا ہی لیکن تاریخ و سوانح پر ان کی دیگر تصنیفات اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اس موضوع کو اگر انھوں نے جم کر اپنایا ہوتا تو تاریخ الاسلام میں انھیں صف اول کا درجہ ملتا لیکن قرآن فہمی اور قرآنی آیات میں غور و خوض کا انھیں خاص سلیقہ ہی نہیں بلکہ ملکہ حاصل تھا جسے ہم خداداد کہہ سکتے ہیں۔

ان کا مسلک جمہوریت کے برخلاف قرآنی تھا ان کا تقریباً سارا استدلال قرآنی آیات اور اجتہاد پر مبنی ہوا کرتا تھا یعنی قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے کرنے کا ذوق رکھتے تھے علمائے اہل حدیث کے حلقوں میں ان کی بڑی وقعت تھی لیکن وہ روایتی تنگ نظری اور عملی جمود سے کوسوں دور تھے۔

چنانچہ اس کتاب میں بھی سیکڑوں نکات بطور سوال و جواب کے لکھے گئے ہیں یعنی قرآن ہی سے سوال اور قرآن ہی سے جواب۔ اس قابل تائید کارنامے سے کیسے انکار ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

اور مولانا جامعہ کی مقتدر ہستیوں میں سے تھے ان کی سعادت مندی، سادگی، دریشی اور علم میں محنت، شغف اور لگن کی وجہ سے اساتذہ اور رفقاء درس میں بے حد مقبول اور قدر کی نگاہ سے دیکھے گئے تھے۔

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

اب قرآنیات کے متخصصین کی خدمات درکار ہیں کہ اس کو منظر عام پر دوبارہ لائیں تاکہ قاری کے ذہن میں ابھرنے والے سوالات کا تشفی بخش جواب مل سکے۔ لہٰذا اس ادارہ (مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) کو شرف حاصل ہو رہا ہے کہ وہ اپنی علمی و ادبی جولان گاہوں میں اس کی شرکت کر کے اسے قبول عام کا درجہ دے اور زیادہ سے زیادہ طالب علموں کو پڑھنے اور مستفید ہونے کا موقع دیں۔ اللہ اس ادارہ کی مدد سے اسے پایۂ تکمیل کو پہنچائے اور اس کو اس کا اجر عظیم دے۔

اور ساتھ ہی جناب محمد وسیم جیراجپوری صاحب کا شوق اور محنت ایک بار پھر امنڈ پڑی ہے کہ اپنے مشفق دادا کی ایسی نایاب کتابیں جو مدت سے کم یاب ہیں لایا جائے تاکہ لوگ ان کے علمی و ادبی کارناموں سے روشناس ہو سکیں نیز یہ کتاب اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد بھی ہے۔

فیضان احمد فلاحی

صلاح سنٹر، جیراجپور، اعظم گڑھ

Marfat.com

نکات قرآن پر ایک نظر

نحمدهٗ و نصلی علیٰ رسوله الکریم

۱۹۵۵ میں جب خاکسار بغرض تعلیم جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں وارد ہوا۔ اس زمانہ میں مولانا حافظ محمد اسلم جیراجپوری جامعہ کالج میں استاد اسلامیات کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے اور جامعہ نگر کی چھوٹی سی بستی میں ایک مقبول عالم، بلند پایہ مورخ اور استاد کے طور پر مشہور تھے۔

خاکسار کو ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور باضابطہ شاگرد نہ ہوتے ہوئے بھی ان کی کلاس میں بیٹھنے کا موقع ملا۔ مرحوم بڑی وضع دار شخصیت کے مالک تھے، پابندی وقت کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کا ادا کرنا اور صبح دس بجے ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری آنا ان کے معمولات میں داخل تھا۔

میں نے دوران تعلیم ان کی تاریخ الامت کو تو مفصل دیکھا تھا کیونکہ بی۔ اے کے نصاب میں اس کا مطالعہ ضروری تھا مگر زیر نظر کتاب "نکات القرآن" جو ۱۹۵۲ء میں سنگم کتاب گھر دہلی سے شائع ہوئی تھی میری نظر سے نہیں گزری، صرف طلباء میں اس کا ذکر سنا تھا۔

الحمدللہ اب فروری ۲۰۰۸ء میں مولانا مرحوم کے پوتے جناب محمد وسیم جیراجپوری نے مجھے اس کی فوٹو کاپی عنایت فرمائی کہ اس پر نظر ثانی کر کے اپنی رائے پیش کروں۔ کیونکہ وہ اپنے دادا مرحوم کی نایاب مطبوعات کو دوبارہ شائع کرنے کا عزم رکھتے ہیں اور یہ بڑا مبارک خیال ہے اللہ تعالیٰ اس بابرکت کوشش کو قبولیت سے نوازے۔

مجھے اس بات کی بھی خوشی ہے کہ انھوں نے خاکسار کو اس عظیم عالم دین کی تالیف پر کچھ لکھنے کے قابل سمجھا۔ میں اس کے لیے شکر گزار ہوں۔

اب جہاں تک کتاب کا تعلق ہے تو مولانا مرحوم نے اپنے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے کہ میں عوام کے اردو داں طبقہ میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے قرآن کریم کے تفسیری نکات کا مجموعہ مرتب کرنا چاہتا ہوں جن کا تعلق صرف الفاظ اور عبارت سے ہے اس میں معنوی

Marfat.com

نکتوں سے بحث نہیں کی گئی ہے۔ اس لیے کہ راقم السطور کے خیال میں معنوی مباحث میں مولانا مرحوم کا بعض دوسرے مفسرین سے اختلاف رہا ہے اس لیے اس موضوع سے گریز کیا گیا ہے۔ میں نے دیباچہ کے بعد دوسرے مضامین پر نظر ڈالی تو اندازہ ہوا کہ یہ تشریحی نکات عوام کے بہت سے شکوک وشبہات دور کرنے کے لیے بہت مفید ہیں اور آج کے سائنسی ذہن والی نئی نسل جو ہر علمی بات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنا چاہتی ہے اس کا مطالعہ استفادہ سے خالی نہیں۔

اس کے علاوہ مولانا کی اس عظیم کوشش کی انفرادیت یہ ہے کہ آپ نے تفسیری نکات کو علاحدہ سے ایک مجموعہ میں جمع کر دیا ہے ورنہ دوسرے مترجمین اور شارحین نے بھی اپنی تشریحات میں ان نکات کو ملحوظ رکھا ہے۔

جیسا کہ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ترجمہ میں لاریب کی تشریح کو میں نے نکات القرآن کی تشریح سے ملا کر دیکھا اور یکساں پایا۔

اب نکات القرآن میں مولانا کا انداز تحریر ملاحظہ ہو۔

س: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ہم کو سیدھے راستہ سے لگا۔ مسلمان سیدھے راستہ پر ہے پھر اس کے ہدایت طلب کرنے کا مقصد کیا ہے؟

ج: مسلمان کو اسلام کی ہدایت حاصل ہے لیکن عقائد واعمال میں ہر قدم پر غلط روی کا خطرہ ہے اس لیے اس کو ہمیشہ اللہ سے ہدایت طلب کرنے کی ضرورت ہے۔

سورہ بقرہ

س: ذَالِکَ الْکِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ یہ کتاب ہے جس میں کسی قسم کا شک نہیں ہے۔ اللہ نے اس کتاب سے ہر قسم کے شک کی نفی کی ہے حالانکہ ہزاروں بلکہ لاکھوں ہیں جو اس میں شک کرتے ہیں۔

ج: شک ان کے دلوں میں ہے یہ کتاب محل شک نہیں۔ اس کی مثال قرآن کریم میں ہے اِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيْهَا (حج ۱) یعنی قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے لوگ اپنے دلوں میں شک رکھا کریں۔

والسلام

بدرالدین الحافظ
بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۲۵

جنوری ۲۰۰۹

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورہ فاتحہ

سوال: بسم اللہ میں الرحمٰن پہلے ہے اور الرحیم بعد میں۔ صرفیوں کے بیان مطابق الرحمٰن مبالغہ کا صیغہ ہے۔ جس میں رحمت کی صفت بہ نسبت رحیم کے زیادہ ہے اور بلاغت کا اصول ہے۔ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی۔ لہٰذا پہلے الرحیم اس کے بعد الرحمان کا درجہ ہے۔

جواب: اہل لغت نے لکھا ہے کہ رحیم اور رحمان ندیم اور ندمان کی طرح ہم معنی ہیں۔ اس لیے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ علاوہ بریں یہاں ایک خاص نکتہ ہے ابتدا اللہ کے لفظ سے ہوئی جو باری تعالیٰ کا اسم ذات ہے اور اس کے سوا کسی کے لیے نہیں بولا جاتا۔ اس کے بعد الرحمٰن ہے جو اس کی مخصوص صفت ہے جس کے ساتھ وہ عرش پر مستوی ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (طٰہٰ ۱) پھر الرحیم ہے جو اس کی صفت بھی ہے اور مخلوق کے لیے بھی مستعمل ہے اس طرح وہ چیز جو عقل سے بالاتر تھی قریب الفہم بنائی گئی۔

سوال: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ہم کو سیدھے راستہ سے لگا۔ مسلمان سیدھے راستہ پر ہے۔ پھر اس کے ہدایت طلب کرنے کا مقصد کیا ہے؟

جواب: مسلمان کو اسلام کی ہدایت حاصل ہے لیکن عقائد و اعمال میں ہر قدم پر غلط روی کا خطرہ ہے اس لیے اس کو ہمیشہ اللہ سے ہدایت طلب کرنے کی ضرورت ہے۔

Marfat.com

سورہ بقرہ

سٓ۱: ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْهِ یہ کتاب ہے جس میں کسی قسم کا شک نہیں ہے۔ اللہ نے اس کتاب سے ہر قسم کے شک کی نفی کی ہے۔ حالانکہ ہزاروں بلکہ لاکھوں ہیں جو اس میں شک کرتے ہیں۔

ج: شک ان کے دلوں میں ہے۔ یہ کتاب محل شک نہیں۔ اس کی مثال قرآن میں ہے اِنَّ السَّاعَةَ آتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا (حج ۱) یعنی قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ لوگ اپنے دلوں میں شک رکھا کریں۔

سٓ۱: هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ متقیوں کے لیے ہدایت ہے۔ متقی خود ہدایت یافتہ ہیں ان کے لیے ہدایت تحصیل حاصل ہے۔

ج: لِلْمُتَّقِیْنَ میں لام تحقیق کا ہے نہ کہ غایت کا۔ یعنی حقیقت میں اس سے متقیوں کو ہدایت ملے گی یہ بات دوسری جگہ زیادہ واضح کردی گئی ہے۔ هٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَ هُدًی وَّ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ (آل عمران:۱۴) یہ بیان سارے انسانوں کے لیے ہے اور ہدایت اور نصیحت ہے درحقیقت متقیوں کے لیے۔

سٓ۲: یُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وہ اللہ کے ساتھ دھوکہ کرتے ہیں۔ ناواقف کے ساتھ دھوکہ ہوتا ہے۔ اللہ کا علم تو کامل ہے اس کے ساتھ کوئی کیا دھوکہ کرے گا۔

ج: صحیح ہے۔ دراصل منافق اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے رسول اللہ اور مومنوں کو دھوکہ دیتے تھے۔ جس سے مقصد تھا رسالت کو ناکام بنانا جو من جانب اللہ تھی۔ اس لیے ان کا یہ فریب بالواسطہ اللہ کے ساتھ تھا۔

سٓ۲: اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ اللہ ان کے ساتھ تمسخر کرتا ہے۔ تمسخر فعل ناپسندیدہ ہے جس سے اللہ کی ذات منزہ ہے۔ پھر اس کو اپنی طرف کیوں منسوب فرمایا۔

ج: کبھی کبھی جرم ہی کا لفظ سزا کے لیے بھی استعمال میں آتا ہے۔ یہاں اس کے معنی ہیں کہ اللہ ان کے تمسخر کی ان کو سزا دیتا ہے جس کا ذکر آگے ہے۔ وَ یَمُدُّهُمْ فِیْ

Marfat.com

طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ اور آن کو ڈھیل دیتا ہے کہ وہ اپنی شرارت میں بھٹکتے رہیں
جیسے ہے نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِیَهُمْ (توبہ ۹) وہ بھول گئے اللہ کو تو اللہ بھول گیا ان
کو۔ حالانکہ اللہ بھولنے والا نہیں۔ وَمَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا (مریم ۴)، بھول
جانے کے معنی بھول کی سزا دینے کے ہیں۔ جس کا بیان سورہ حشر ۳ میں ہے۔
نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسَاهُمْ اَنْفُسَهُمْ انھوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انھیں خود
اپنے آپ کو بھلوا دیا۔ یعنی وہ اپنی خودی کو بھول گئے۔ یہی صورت ہے وَمَکَرُوا
وَمَکَرَ اللّٰهُ (آل عمران ۵)، فریب کیا کافروں نے اور اللہ نے ان کے فریب
کی سزا ان کو دی۔

س ۳: فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ تم علم رکھتے ہوئے اللہ کے
شریک نہ بناؤ۔ کس بات کا علم؟ مشرکین تو یہی سمجھتے تھے کہ اللہ کے اور بھی شرکاء
ہیں۔

ج: اس بات کا علم کہ جن کو تم اللہ کا شریک گردانتے ہو وہ کسی قسم کی قدرت نہیں رکھتے۔
لَا یَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِکُوْنَ مَوْتًا وَّ لَا
حَیَاتًا وَّ لَا نُشُوْرًا (فرقان ۱) وہ نہ اپنے لیے برائی کرنے کی قدرت رکھتے
ہیں نہ بھلائی کرنے کی۔ نہ موت کے مالک ہیں نہ حیات کے اور نہ جی اٹھنے کے۔

س ۴: فَتَلَقّٰٓی آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ کَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ آدم نے چند کلمے اپنے
رب سے سیکھے سو اللہ نے اس کی توجہ قبول فرمائی۔ آدم کی توبہ قبول ہوگئی تو جنت سے
کیوں نکالے گئے؟

ج: توبہ کی قبولیت کے معنی گناہ کی مغفرت کے نہیں ہیں بلکہ رجوع ہونے کے ہیں۔ آدم
نے نافرمائی کے بعد جب مغفرت مانگی تو اللہ نے ان کی طرف توجہ فرمائی اور ہدایت
کی۔ وَعَصٰٓی آدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیْهِ وَ
هَدٰی (طٰہٰ ۷) آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور بھٹک گیا۔ پھر اس کے رب
نے اس کو برگزیدہ کیا۔ اس کی توبہ قبول فرمائی اور ہدایت دی۔

Marfat.com

س: عام مسلمانوں کا خیال یہی ہے کہ حضرت آدم کا گناہ معاف کر دیا گیا۔

ج: قرآن سے اس کا ثبوت نہیں۔ حضرت موسیٰ نے قبطی کو مار ڈالنے کے بعد دعا کی: رَبِّ اِنِّی ظَلَمْتُ نَفْسِی فَاغْفِرْلِی (قصص ۲) قرآن کہتا ہے فَغَفَرَلَهٗ اللہ نے اس کا گناہ بخش دیا۔ حضرت داؤدؑ کے قصہ میں فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ خَرَّرَاكِعاً وَّاَنَابَ (ص ۲) اس نے اپنے رب سے مغفرت مانگی اور رکوع میں جھکا اور اس کی طرف رجوع ہوا۔ اللہ فرماتا ہے فَغَفَرْنَا لَهٗ ذَالِکَ ہم نے اس کا قصور معاف کر دیا اور حضرت آدم کو جب ان کے گناہ پر ہبوط کا حکم دیا گیا انھوں نے عاجزی کے ساتھ اپنے قصور کا اعتراف کیا اور مغفرت چاہی مگر مغفرت نہیں ملی بلکہ پھر دوبارہ ہبوط ہی کا حکم دیا گیا۔

س: یہاں اِهْبِطُوا کا صیغہ جمع کا ہے سورہ طٰہٰ میں اسی حکم کے لیے تثنیہ کا صیغہ اِهْبِطَا کیوں لایا گیا ہے؟۔

ج: اعتبارات کے اختلاف سے عبارت بدلی جاسکتی ہے۔ آدم۔ حوا، ابلیس عدد کے لحاظ سے جمع ہیں مگر ناری وخاکی یعنی جن وانس کے لحاظ سے تثنیہ۔

س: فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُم مِنِّیْ ھُدیً اگر تمھارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے۔ یہاں جمع مخاطب کی ضمیر کیوں لائی گئی۔ آدم وحوا تو دو ہی تھے کیا ابلیس بھی اس میں شامل ہے؟

ج: ابلیس شقی ازلی ہے نجات سے مایوس۔ اس لیے ہدایت کیا آئے گی یہاں خطاب ہے آدم وحوا اور ان کی تمام ذریت سے جن سے ازل میں عہد اَلَسْتُ لیا گیا ہے۔

س: آدم کے متعلق اللہ نے فرمایا: "فَتَابَ عَلَیْهِ وَھُدیٰ جب آدم کو ہدایت دے دی تو پھر ہدایت بھیجنے کی ضرورت کیا باقی رہی؟

ج: آدم کو ان کی ذات کے لیے فطری دین کی ہدایت دی گئی تھی کیونکہ اس وقت ان کی کوئی امت نہ تھی۔ اسی لیے قرآن میں ان کے واسطے رسول یا نبی کا لفظ نہیں آیا لیکن دنیا میں ان کی ذریت سے قبیلے اور قبیلوں سے قومیں اور قوموں سے امتیں بننے والی

Marfat.com

تھیں اس لیے حسب ضرورت ہدایت بھیجنے کا وعدہ فرمایا۔

س ۴: یَأْتِیَنَّکُمْ مِنِّیْ هُدًی سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ہدایت آنے کی کیا صورت ہوگی؟

ج: یہاں اور سورہ طٰہٰ میں صرف هُدًی کا لفظ ہے مگر سورہ اعراف میں اسی قصہ آدم و ابلیس کے ذیل میں ہے یَا بَنِیْ آدَمَ یَأْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ آیَاتِیْ اے بنی آدم اگر تمھارے پاس تمھیں میں سے رسول آئیں جو تم کو میری آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ یہ تشریح ہے کہ ہدایت آئے گی رسول اور کتاب کے ذریعہ سے۔

س ۷: لَنْ نَصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ ہم ہرگز ایک ہی کھانے پر صبر نہ کریں گے صرف ایک ہی نہیں بلکہ من وسلویٰ دو کھانے ان کو ملتے تھے۔

ج: کھانے کی تعداد مراد نہیں بلکہ یکسانیت ہے یعنی ہر روز ایک ہی قسم کی خوراک۔

س ۷: وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ وہ نبیوں کو ناحق قتل کر دیتے تھے۔ ان کا قتل تو ہمیشہ ناحق ہی ہوگا پھر بِغَیْرِ الْحَقِّ کہنے کی کیا وجہ ہے؟

ج: ان کے جرم کی برائی کی مزید توضیح کے لیے؟

س ۸: قُلْنَا لَهُمْ کُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِیْنَ ہم نے ان سے کہا ذلیل بندر بن جاؤ۔ بندر بن جانا ان کی طاقت سے باہر تھا۔ پھر ایسا حکم دینے کے کیا معنی ہوئے؟

ج: یہ امر ایجابی نہیں بلکہ تکوینی ہے یعنی کن فیکون

س ۱۰: ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْکُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ پھر بجز تھوڑے لوگوں کے تم پھر گئے اور روگردانی کی۔ دونوں جملے ایک ہی مفہوم کو ظاہر کرتے ہیں۔

ج: دو مفہوم الگ الگ ہیں یعنی تم نے جو پیمان کیا تھا اس سے پھر گئے اور انجام پر نظر ڈالنے سے روگردانی کی۔

س ۱۲: وَمَا اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ اور جو اتارا گیا دو فرشتوں پر بابل میں یعنی ہاروت و ماروت یہاں مَلَکَیْن سے بعض مفسروں نے دو فرشتہ سیرت بزرگ مراد لیے ہیں اور دلیل میں زنان مصر کا قول نقل کیا ہے جو

Marfat.com

انھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق کہا تھا اِن ھٰذَآ اِلَّا مَلَکٌ کَرِیْم (یوسف:۴) اگر یہ صحیح ہو تو اس سے اس مشکل آیت کے حل میں مدد ملتی ہے۔

ج: حضرت یوسف کے متعلق ہم کو معلوم ہے کہ وہ آدمی تھے ان کو ملک کہنا عصمت کے لحاظ سے استعارہ ہی کے طور پر ہو سکتا ہے۔ بخلاف اس کے ہاروت و ماروت کے بارے میں کوئی ثبوت نہیں کہ وہ انسان تھے پھر حقیقی معنی سے عدول کیسے جائز ہوگا۔

س۱۲: وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاہُ مَالَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ خَلَاقٍ وَّ لَبِئْسَ مَا شَرَوْبِہٖ اَنْفُسَھُمْ لَوْ کَانُوا یَعْلَمُوْنَ ان کو خوب معلوم ہے کہ جو اس کا خریدا ہوگا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور بہت برا سودا ہے جس کے لیے انھوں نے اپنی جانیں بیچیں کاش وہ جانتے۔ پہلے تو موکد طریقہ پر فرمایا کہ ان کو علم ہے پھر علم کی نفی کر دی۔ کیا یہ تضاد نہیں ہے؟

ج: یہاں مثبت اور منفی دونوں علموں میں فرق ہے وہ خوب جانتے تھے کہ جادوگر آخرت میں بے نصیب ہوگا مگر یہ نہیں جانتے تھے کہ اس کو کتنی سخت سزا ہوگی۔

س۱۳: مَا نَنْسَخْ مِنْ آیَۃٍ اَوْ نُنْسِھَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْھَا اَوْ مِثْلِھَا ہم جو آیت منسوخ کرتے یا بھلا دیتے ہیں اس سے بہتر یا ویسی ہی لا دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے کلام کو خود اس کے سوا دوسرا کوئی منسوخ نہیں کر سکتا۔

ج: بے شک۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو آیتیں منسوخ ہوئی تھیں وہ نزول قرآن ہی کے زمانہ میں ہو چکیں کیونکہ وحی کا سلسلہ بند ہو جانے کے بعد آیت کے بدلے میں آیت نہیں مل سکتی۔ اس لیے نسخ بھی ممکن نہیں جو لوگ دو آیتوں میں تعارض سمجھ کر ایک کو ناسخ دوسری کو منسوخ قرار دیتے ہیں وہ دراصل ان کی فہم کا قصور ہوتا ہے۔ قرآن کی موجودہ آیات میں سے کوئی دو آیتیں باہم متعارض نہیں ہیں اور روایات سے آیات کو منسوخ کرنا تو قرآن پر ظلم ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خود یہ حق نہیں تھا کہ قرآن میں کسی قسم کی تبدیلی کر سکیں۔ قُلْ مَا یَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَہٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ (یونس:۲) کہہ دے کہ مجھے حق نہیں کہ میں قرآن کو اپنے جی سے بدل

Marfat.com

سکوں ۔[1]

س: ۲ / ۱۶ وَاِنَّهُ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِیْن وہ آخرت میں صالحین میں سے ہوں گے۔ حضرت ابراہیم عظیم الشان رسول ہیں۔ صالح ہونے سے ان کے شرف میں کیا اضافہ ہوگا؟

ج: یہاں صالح کا عام مفہوم مقصود نہیں ہے بلکہ حیات اخروی کی صلاحیت رکھنے والا اور اس کا شرف تو وہیں معلوم ہوگا۔

س: ۲ / ۱۶ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْن اور نہ مرنا مگر اسلام کی حالت میں۔ غیر اختیاری امر سے نہی کا کیا مطلب ہے؟

ج: یہ مطلب ہے کہ تم اسلام پر ثابت قدم رہنا مرتے دم تک۔ یہ غیر اختیاری موت سے نہی نہیں بلکہ اختیاری ثبات کا امر ہے۔

س: ۲ / ۱۷ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِی كُنْتَ عَلَيْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ اور جس قبلہ پر تم تھے وہ ہم نے اسی لیے مقرر کیا تھا کہ جان لیں کہ کون رسول کے پیچھے چلتا ہے اور کون الٹے پاؤں پلٹ جاتا ہے۔ علم الٰہی تو ہر شے پر محیط ہے۔ پھر یہاں جاننے کے کیا معنی ہیں؟

ج: یہاں علم کے معنی جانچنے کے ہیں اور یہ جانچ اللہ اپنے بندوں میں کرتا رہتا ہے۔ سورۂ عنکبوت کے پہلے رکوع میں ہے۔ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِيْن اللہ ضرور جانچنے گا سچوں کو اور ضرور جانچے گا جھوٹوں کو۔

س: ۲ / ۱۶ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ہم پھیر دیں گے تجھ کو اس قبلہ کی طرف جس سے تو راضی ہے۔ کیا رسول اللہ ﷺ بیت المقدس کے قبلہ سے راضی نہ تھے؟ حالانکہ وہ بہ حکم الٰہی تھا۔

ج: راضی تھے لیکن رضائے تسلیم تھی رضائے طبعی کعبہ کی طرف تھی۔

س: ۲ / ۱۶ وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ تو ان کے قبلہ کا ماننے والا نہیں۔ یہود اور نصاریٰ کے دو مختلف قبلے ہیں۔ یہاں ان کی طرف ایک ہی قبلہ کو کیوں منسوب کیا؟

---

[1] نسخ آیات کی بحث ہم کئی جگہ خاص کر تاریخ القرآن میں مفصل لکھ چکے ہیں۔

Marfat.com

ج: چونکہ وہ دونوں کعبہ سے مختلف ہیں اس لیے ان کی نوعیت ایک ہی ہے اور ایک ہی حکم میں ہیں۔

س ۱۸: لِـئَلّا یَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ تا کہ لوگوں کو تمھارے اوپر حجت باقی نہ رہے۔ تحویل قبلہ کو حجت سے کیا تعلق؟

ج: یہود کہتے تھے کہ محمدؐ ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہمارے دین کو برحق سمجھتے ہیں۔ قبلہ بدل جانے سے ان کی یہ حجت جاتی رہی۔

س ۱۹: وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ جو کوئی اللہ کی راہ میں مارا جائے اس کو مردہ نہ کہو۔ وہ تو زندہ ہے لیکن تم کو خبر نہیں۔ شہید کو تو سب ہی مردہ دیکھتے ہیں آخر سمع۔ بصر اور قبل سب کی شہادت کیسے غلط قرار دی جائے؟

ج: ہمارے علم کی دنیا بہت محدود ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ تم کو خبر نہیں ہے۔ مرنے کے بعد ہر شخص کے آگے برزخ ہے۔ وَمِنْ وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (مومنون) اور ان کے آگے آڑ ہے اٹھائے جانے کے دن تک۔ نہ ان کو حیات میسر ہے نہ رب کی حضوری۔ لیکن شہید کو جان نکلتے ہی یہ دونوں چیزیں میسر ہو جاتی ہیں۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (آل عمران ۱۷) جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کو ہرگز مردہ نہ خیال کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی پاتے ہیں۔ دراصل دنیاوی موت شہیدوں کے تسلسل حیات کو منقطع نہیں کرتی ہے مگر ہمارا علم اس کے ادراک سے قاصر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے ان کو نہ صرف مردہ کہنے بلکہ مردہ گمان کرنے کی بھی ممانعت کی اور ہم کو اپنی طرف سے ان کی زندگی کا علم عطا فرمایا۔

س ۱۹: اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ان کافروں پر لعنت ہے اللہ کی اور ملائکہ کی اور تمام آدمیوں کی۔ مگر ان کے ہم مذہب

Marfat.com

کہاں ان پر لعنت کرتے ہیں؟

ج: دنیا میں نہیں کرتے تو عقبیٰ میں کریں گے ثُمَّ یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ یُکۡفُرُ بَعۡضُکُم بِبَعۡضٍ وَیَلۡعَنُ بَعۡضُکُم بَعۡضاً (عنکبوت ۳) پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کی تکفیر کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے۔

۱۹
س: وَاِلٰـھُکُمۡ اِلٰـہٌ وَّاحِدٌ تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے یہاں الٰہ کے لفظ کو مکرر لانے سے کیا فائدہ؟ یہی مطلب اِلٰھُکُمۡ وَّاحِدٌ سے بھی نکل سکتا ہے۔

ج: مبتدا کا تکرار حصر کا فائدہ دیتا ہے یعنی نصاریٰ تین خدا مانتے ہیں اور تمھارا معبود صرف ایک معبود ہے۔ قُلۡ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ میں بھی اسی غرض کے لیے مبتدا مکرر لایا گیا ہے۔

۲۱
س: مَثَلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا کَمَثَلِ الَّذِیۡ یَنۡعِقُ بِمَا لَا یَسۡمَعُ اِلَّا دُعَاءً وَّ نِدَاءً (ان منکروں کی مثال اس شخص کی ہے جو چلاتا ہے ان جانوروں پر جو سوائے آواز کے کچھ نہیں سنتے۔ کافروں کی تمثیل جانوروں کے ساتھ موزوں ہے نہ کہ چرواہے کے ساتھ۔

ج: جمع کی تمثیل مفرد کے ساتھ بتاتی ہے کہ یہاں اضمار ہے یعنی مَثَلُکَ وَ مَعَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡ تیری مثال ان کافروں کے ساتھ ایسی ہے جیسی اس شخص کی جو بہائم کو آواز دے رہا ہو۔ یہی اضمار اس سورہ کے دوسرے رکوع میں ہے مَثَلُھُمۡ کَمَثَلِ الَّذِیۡ اسۡتَوۡقَدَ نَاراً یعنی مَثَلُکَ وَ مَعُھُمۡ کَمَثَلِ الَّذِی اسۡتَوۡقَدَ نَاراً الآیہ تیری مثال ان منافقوں کے ساتھ ایسی ہے جیسے کسی نے آگ جلائی جب اس کا ماحول روشن ہوگیا تو ان منافقوں کی آنکھوں کا نور اللہ نے لے لیا اور ان کو تاریکی میں چھوڑ دیا کچھ نہیں دیکھتے۔ بہرے گونگے اندھے ہیں اس لیے نہیں پلٹیں گے۔

۲۲
س: وَلٰـکِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ آمَنَ بِاللّٰـہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَالۡمَلَائِکَۃِ وَالۡکِتٰبِ وَالنَّبِیِّیۡنَ نیکی اس کی ہے جو ایمان لایا۔ اللہ۔ یوم آخر۔ ملائکہ۔

Marfat.com

کتاب اور انبیاء پر۔ کیا اجزاء ایمان میں تقدیر شامل نہیں ہے؟

ج: تقدیر قرآن کے لحاظ سے دینی حقائق کی طرح ایک حقیقت ہے۔ ایمان کا جزو نہیں ہے[1] دوسری آیت میں بھی یہی پانچوں اجزاء ہیں وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ وَ مَلٰئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلاً بَعِیْدًا (نساء۲۰)

۲۲

س: اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی۔ آزاد کے بدلہ میں آزاد۔ غلام کے بدلہ میں غلام۔ اور عورت کے بدلہ میں عورت۔ دوسری آیت میں قصاص کا قانون جان کے بدلہ جان بیان کیا گیا ہے۔

ج: وہ قانون یہود کے لیے تھا۔ وَکَتَبْنَا عَلَیْہِمْ فِیْہَا اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ (مائدہ۱۷) ہم نے یہود کے اوپر توریت میں لکھا ہے کہ جان کے بدلہ جان لیکن قرآن نے جو ہر زمان و مکان کے لیے نازل ہوا ہے اس کو بہت معتدل بنایا ہے۔

۲۲

س: اَلْوَصِیَّۃُ لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ۔ قرآن نے یہ تاکیدی حکم دیا کہ والدین اور اقربا کے لیے اپنے متروکہ میں سے ضرور وصیت کر جاؤ پھر فقہا نے اس کو منسوخ کس دلیل سے کیا ہے؟

ج: حنفیہ نے حدیث لا وصیۃ الوارث سے اس کو منسوخ کر دیا۔ کیونکہ ان کے اصول کے مطابق رویت آیت کو منسوخ کر سکتی ہے اور شافعیہ نے جن کے یہاں حدیث سے آیت منسوخ نہیں ہو سکتی۔ آیات وراثت کو اس کا ناسخ قرار دیا ہے۔ حالانکہ خود انھیں آیات میں چار جگہ تصریح ہے کہ وراثت کا نفاذ وصیت کے بعد ہوگا۔[2]

---

[1] تقدیر پر ایمان کا جزو زمانہ مابعد میں بنائی گئی تا کہ مستبد خلفاء کے مظالم کے خلاف امت کھڑی نہ ہو اور ان کو امر تقدیری سمجھ کر صبر کرتی رہے۔

[2] اس کو بحث ہم نے اپنی عربی تصنیف الوراثۃ فی الاسلام میں تفصیل کے ساتھ لکھ دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وراثت کا قانون کلی ہے۔ اس میں ورثے کے شخصی مصالح کا لحاظ نہیں کیا جا سکتا اس کے لیے وصیت فرض کی گئی ہے اس کو منسوخ کر کے قرآن کی ایک اہم تعلیم ضائع کر دی گئی ہے۔

Marfat.com

س: روزہ کے بیان میں مریض اور مسافر کا ذکر کیوں دہرایا گیا ہے؟

ج: پہلی آیت میں روزے کا مکمل حکم بیان کر دیا کہ تندرست غیر مسافر روزہ رکھے۔ مریض اور مسافر کو رعایت ہے کہ وہ دوسرے دنوں میں ان کا شمار پورا کرلیں۔ اور جن کو روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو وہ فدیہ ہیں ایک مسکین کو کھانا کھلایا کریں۔ دوسری آیت میں جب رمضان کا مہینہ روزہ کے لیے متعین فرمایا تو پھر مریض اور مسافر کی رعایت کو دہرادیا تا کہ شبہ نہ رہے کہ اس تعین کے بعد وہ باقی نہیں رہی لیکن جن کو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں ہے ان کے حکم کے دہرانے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ تو روزہ رکھ ہی نہیں سکتے۔

۲۱
س: فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْراً فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ جو دل کی خوشی سے خیرات کرے وہ اس کے لیے بہتر ہے۔ یہ فدیہ سے متعلق ہے یا صدقہ فطر کی تعلیم ہے؟

ج: یہ ہر اس خیرات سے متعلق ہے جو روزہ کے فدیہ یا رمضان کے مہینہ یا کسی زمانہ کی جائے۔ پیمانہ ہے اس دل کی خوشی۔ صدقہ فطر جو امت میں رائج ہے کہ عید سے کسی ایک دن پہلے گھر کے ہر فرد کی طرف سے خواہ وہ غیر مکلّف بالشرع بچہ ہی کیوں نہ ہو چار مد عراقی کے پیمانہ سے غلہ یا اس کی قیمت نکالتے ہیں۔ روایات کی تعلیم ہے قرآن کی نہیں ہے۔

۲۳
س: اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔ مگر ساری دعائیں اور سب کی دعائیں کہاں قبول ہوتی ہیں؟

ج: اللہ کا قول سچا ہے۔ عدم قبولیت کے اسباب خود دعا کرنے والوں کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اس کا وعدہ یہی ہے اُدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (مومن ٦) مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

۲۴
س: قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ۔ کہہ دے ہلال اوقات کا شمار ہیں لوگوں کے واسطے اور حج کے لیے مواقیت کہہ دینے کے بعد حج کے ذکر کی کیا

Marfat.com

خصوصیت ہے؟

ج: ہلال سے مہینوں کا شمار کیا جاتا ہے اور حج سال میں ایک بار ہوتا ہے۔ اس کے ذکر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دینی ماہ و سال دونوں قمری ہیں دنیاوی سال کو شمسی رکھنے کی ممانعت نہیں۔

س ۲۴: ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ فِی الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ۔ تین روزے حج میں اور سات واپسی کے بعد یہ ہوئے پورے دس۔ آخری فقرہ کی کیا ضرورت خاص ہوئی۔ ہر شخص جانتا ہے کہ تین اور سات مل کر دس ہوتے ہیں۔

ج: واو کبھی یا کے معنی میں بھی آتا ہے فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ (نساء ا) نکاح میں لاؤ اپنا پسند کی عورتیں دو یا تین یا چار۔ یہاں بھی خیال ہوسکتا تھا کہ حج میں تین روزے یا واپسی کے بعد سات۔ اس شبہ کو مٹانے کے لیے حاصل جمع ذکر کر دیا گیا ہے۔

س ۲۵: فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ اللہ کا ذکر کرو مشعر حرام کے پاس اور ذکر کرو جیسا اس نے تم کو سکھایا ایک ہی جملہ میں ذکر کا حکم دو بار کیوں دیا گیا؟

ج: پہلے مطلق ذکر کا حکم ہے پھر ذکر کی نوعیت کا کہ قرآن کے مطابق ہونا چاہیے۔

س ۲۶: یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ۔ قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ۔ لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ دے کہ جو مال خرچ کرو وہ والدین اور اقرباء کے لیے کرو۔ یہاں سوال و جواب میں مطابقت نہیں معلوم ہوتی۔

ج: یہ سوال کا جواب ہی نہیں ہے۔ وہ تو بعد کی آیتوں میں دیا گیا ہے "قُلِ الْعَفْوَ" کہہ دے کہ جو بچت ہو۔ یہاں پوچھنے والوں کو اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ خیرات کی مقدار پوچھنے سے پہلے اس کا صحیح مصرف جاننا زیادہ اہم ہے۔

س ۲۷: وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ اگر وہ طلاق کا ارادہ

Marfat.com

کریں تو اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔ ارادہ کیسے سنا جائے گا۔

ج: اللہ کو انسان پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ وہ جن وانس مرغ وماہی اور مور ومار سب کے دلوں میں جو وسوسے گزرتے ہیں ان کو سنتا دیکھتا اور جانتا ہے۔

س ۳۲: فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اللہ نے ان سے کہا مر جاؤ۔ پھر ان کو زندہ کر دیا۔ کیا یہ غیر اختیاری بات کا حکم نہیں ہے۔ پھر موت کے بعد دنیا میں زندگی کیسی وہ تو قیامت میں نصیب ہوگی۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذَالِكَ لَمَيِّتُون۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْن (مومنون ا) پھر تم اس کے بعد مرو گے پھر قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔

ج: یہاں مُوْتُوْا سے مراد ہے لڑ مرو جس کی تشریح آگے کی آیت وَقَاتِلُوْا فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں) کرتی ہے اور زندہ کر دیا کے معنی ہیں ان کو دشمنوں پر فتح دے کر قومی زندگی عطا فرمائی جس کا مفصل بیان بعد کے رکوع میں ہے۔

س ۳۴: يَوْمَ لَا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَة اس دن نہ خرید ہوگی نہ دوستی نہ سفارش۔ قیامت کے دن شفاعت کی مطلق نفی کی گئی ہے۔ حالانکہ قرآن کی مختلف آیتوں بلکہ خود اسی کے بعد آیۃ الکرسی سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

ج: ثبوت ملتا ہے شفاعت باذن اللہ کا۔ لہٰذا ساری شفاعت اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعاً (زمر ۵) کہہ دے کہ ساری شفاعت اللہ ہی کے لیے ہے۔ یہاں نفی غیر اللہ کی شفاعت کی ہے۔

س ۳۶: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَاتُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى اے مومنو! اپنی خیرات کو احسان رکھ کر اور ستا کر ضائع کرو لیکن اللہ نے خود جا بجا اپنے احسانات جتائے ہیں۔ مثلاً لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ بَلِ اللّٰه يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اِنْ هَدَاكُمْ۔

ج: یہ لفظ جہاں کہیں بھی اللہ کی شان میں آیا ہے اس کے معنی وعطا وبخشش کے ہیں

Marfat.com

احسان جتانے کے نہیں ہیں۔ اس کی صفت منّان ہے یعنی احسان کرنے والا نہ کہ رکھنے والا۔

۳۸
س: اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبَا تجارت سود کی طرح ہے۔ ان کو کہنا چاہیے تھا کہ سود تجارت کی طرح ہے کیونکہ بحث اس کے بارے میں ہے۔

ج: یہ مبالغہ کا طریق ہے یعنی سود کی حلت کا ان کو اس قدر یقین تھا کہ اسی کو اصل اور تجارت کی حلت کو فرع قرار دیا۔

س: قرآن نے اس موقع پر ربا کی حرمت کی کوئی وجہ نہیں ظاہر کی۔

ج: وہ خود ربا کے لفظ میں موجود ہے۔ اس کے معنی ہیں خالص بڑھنی۔ سود خوار صرف نفع لیتا ہے نقصان میں شرکت نہیں کرتا۔ اس لیے وہ ناجائز ہے اگر باختیار خود نقصان میں بھی شرکت کرے تو پھر حرمت کی وجہ باقی نہیں رہتی۔

۳۸
س: فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ سود خوار کے ساتھ اللہ و رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان کردو مگر وہ تو کلمہ گو ہیں اور فرائض شرعی بھی ادا کرتے ہیں۔

ج: کفار کی طرح نہیں بلکہ قانون توڑنے والوں کی طرح، یعنی حکومت سود خواروں کی سزا کے لیے قانون بنائے گی۔

۳۹
س: اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ جب تم لین دین کرو آپس میں قرض کا تَدَایَنْتُمْ کے بعد دین کا لفظ کیوں لایا گیا۔ یہ لفظ تو خود دین ہی سے نکلا ہے۔

ج: اس کے آگے ہے فَاکْتُبُوْہ یعنی اس کو لکھ لیا کرو۔ یہ واحد غائب کی ضمیر دین کی طرف راجع ہے۔ اگر پہلے فقرہ میں دین کا لفظ نہ ہوتا تو اس کو یہاں لانا پڑتا۔ پھر عبارت اتنی حسین نہ ہوتی۔

۳۹
س: وَمَنْ یَّکْتُمْهَا فَاِنَّهٗ آثِمٌ قَلْبُهٗ جو شہادت کو چھپائے اس کا قلب گنہگار ہے گناہ کو خود اس کی طرف منسوب کیوں نہ فرمایا۔

ج: کتمان کا تعلق قلب سے ہے۔ اس لیے اس کے ضمیر کو مجرم قرار دینا بہ نسبت اس کے زیادہ بلیغ ہے۔

۱۱۵۳۶۶

Marfat.com

س: لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ہم اس کے رسولوں میں ایک دوسرے کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ کیا سب کا درجہ برابر ہے؟

ج: درجہ کے لحاظ سے رسول اور رسول میں فرق ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (بقرہ ۳) ان رسولوں میں سے ایک کو دوسرے پر ہم نے فضیلت دی ہے۔ اسی طرح نبی اور نبی میں بھی وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ (بنی اسرائیل ٦) اور ہم نے فضیلت دے رکھی ہے ایک نبی کو دوسرے نبی پر۔ لیکن ایمان لانے میں سب برابر ہیں۔ یعنی سارے رسولوں اور نبیوں کے برحق ہونے پر ہم یکساں ایمان رکھتے ہیں۔

سورہ آل عمران

سٓ: آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ آیات محکمات۔ وہی اصل کتاب ہیں اور دوسری متشابہات ہیں۔ ان دونوں قسموں کی آیات کے بارے میں مفسرین کے اس قدر اختلافات ہیں کہ ان کی حقیقت متعین نہیں ہوتی۔

ج: محکمات کے معنی ہیں پختہ۔ یہ واضح اور کھلی ہوئی آیتیں ہیں جن کے معانی سمجھ میں آتے ہیں اور یہی نزول قرآن سے اصل مقصود ہیں لیکن دینی ضرورت سے کچھ باتیں قرآن نے ایسی بھی بیان کی ہیں یا اس کو بیان کرنی پڑی ہیں جو دنیا میں انسانوں کی علمی دسترس سے باہر ہیں۔ مثلاً اللہ کی ذات۔ صفات۔ بعث بعد الموت۔ حساب کتاب میزان عمل جنت دوزخ وغیرہ۔ انسانی مدرکات خواہ ظاہری ہوں یا باطنی ان کے ادراک سے دنیا میں قاصر ہیں۔ اس لیے یہ تمثیلی طور پر ایسے الفاظ بیان کی گئی ہیں جو ہماری بول چال کے الفاظ سے ملتے جلتے ہیں اور مشابہ ہیں۔ جن کے ذریعہ سے ان غیر مدرک حقائق کا ایک تصور ہمارے ذہنوں میں قائم ہو جاتا ہے چونکہ ان آیات سے عمل نہیں بلکہ صرف ان حقائق پر ایمان رکھنا مقصود

Marfat.com

ہے۔اس لیے ان کی تفصیل کی ضرورت بھی نہیں محض اجمالی علم کافی ہے۔ چنانچہ قرآن ان لوگوں کو فتنہ پرداز قرار دیتا ہے جو ان کی تاویل کے پیچھے پڑتے ہیں۔

س: یہاں محکمات اور متشابہات دو قسم کی آیتیں بتائی گئی ہیں اور سورہ ہود کی پہلی آیت ہے: كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ۔ عظیم الشان کتاب جس کی آیات محکم بنائی گئیں۔ پھر ان کی تفصیل حکمت اور خبر رکھنے والے اللہ کی طرف سے کی گئی۔ جس سے خیال ہوتا ہے کہ جملہ آیات محکمات ہی ہیں۔

ج: بیشتر آیات محکمات ہی ہیں۔انھیں کا یہاں ذکر ہے کہ ان کی تفصیل اللہ ہی نے کر دی ہے متشابہات کا ذکر اس لیے چھوڑ دیا کہ وہ تفصیل طلب نہیں ہیں۔ دراصل سورۂ ہود کی اس آیت میں یہ بات بتانی مقصود ہے کہ قرآن کی آیات تفصیل قرآن ہی میں موجود ہے۔ان کے لیے کسی دوسرے تفسیر کی حاجت نہیں ہے۔

س: وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ۔ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ۔ اس کی تاویل اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا جو پختہ علم والے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ بعض مفسروں نے الرّاسِخُونَ کو اللہ کا معطوف قرار دے کر یہ معنی بیان کیے ہیں کہ متشابہات کی تاویل اللہ بھی جانتا ہے اور جو لوگ علم میں پکے ہیں وہ بھی جانتے ہیں۔ نیز بعض بزرگوں کی طرف ان کے جاننے کا دعویٰ بھی منسوب کیا ہے۔

ج: پہلے بیان کر دیا گیا کہ آیات متشابہات میں وہ امور بیان کیے گئے ہیں جن کی تاویل اس دنیا میں انسان کی علمی دسترس سے باہر ہے۔ اگر کسی نے ان کے علم کا دعویٰ کیا ہے تو یا تو اس نے قرآن کو نہیں سمجھا ہے یا اپنے آپ کو۔

س: يَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ وہ ان کو اپنے سے دگنا دیکھتے تھے چشم دید۔ کون کس کو دگنا دیکھتا تھا؟

ج: جنگ بدر میں دونوں فریق جب آمنے سامنے آ گئے اس وقت مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳

Marfat.com

تھی اور قریش کی ایک ہزار۔ اللہ نے مسلمانوں کی آنکھوں میں دشمنوں کی تعداد کم دکھائی اور دشمنوں کی آنکھوں میں مسلمانوں کو کم دکھایا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان قریش کو اپنے سے دگنا دیکھتے تھے اور خود ان کی تعداد سے کم۔ کیونکہ وہ مسلمانوں سے تگنے سے بھی زیادہ تھے۔ اور قریش کی آنکھوں میں مسلمان اپنی اصلی تعداد سے بھی کم نظر آتے تھے۔ اس کا ذکر سورہ انفال میں بھی آئے گا۔

س۴: وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ اور بیٹا بیٹی جیسا نہیں ہے۔ عمران کی بیوی امید رکھتی تھی کہ اس کے شکم سے بیٹا پیدا ہوگا جس کو وہ ہیکل[1] کی خدمت کے لیے نذر کرے گی۔ مگر پیدا ہوئی بیٹی۔ ایسی صورت میں اس کو کہنا چاہیے تھا کہ بیٹی بیٹے جیسی نہیں ہے لیکن یہاں جملہ برعکس ہے۔

ج: بالعموم مفسروں نے اس کو عمران کی بیوی ہی کا قول قرار دیا ہے۔ اس صورت میں یہ اعتراض وارد ہوتا ہے مگر دراصل یہ عمران کی بیوی کا قول نہیں ہے بلکہ اللہ کے قول کا تتمہ ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ یعنی اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ وہ جنی ہے اور وہ بیٹا جس کی یہ آرزو رکھتی تھی اس بیٹی جیسا نہیں ہے جس کو یہ جنی ہے کیونکہ اس بیٹی کو اللہ بیٹوں سے بھی بڑا رتبہ دے گا اور اس کو اور اس کے بیٹے کو دنیا والوں کے لیے اپنی نشانی بنائے گا۔ وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ (انبیاء ۶)

س۴: فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُّصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ جب ذکریا کو فرشتوں نے اس حالت میں پکارا جب کہ وہ محراب میں نماز پڑھ رہا تھا نماز کی حالت میں پکارنا فرشتوں نے کیسے جائز رکھا؟

ج: صلوٰۃ کے معنی دعا کے بھی ہیں۔ ملائکہ نے ان کو اس وقت پکارا جب وہ محراب میں کھڑے ہوئے (غالباً بیٹے کے لیے) اللہ سے دعا کر رہے تھے۔

---

[1] یہ مسجد بنی اسرائیل کے لیے حضرت سلیمان نے حضرت عیسیٰ کی میلاد سے ایک ہزار ایک برس قبل بنائی تھی۔ یہ شاہانہ تعمیر تھی جس کی نظیر اس زمانہ میں سارے عالم میں نہ تھی۔ یہی مسجد ہیکل کے نام سے بنی اسرائیل میں مشہور ہوئی۔

Marfat.com

س: اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَاۗءِ الْعٰلَمِيْنَ اللہ نے تجھ کو پسند کیا اور پاک کیا اور چن لیا سارے جہان کی عورتوں پر۔ ایک ہی جملہ میں اصْطَفٰكِ لفظ کو دوبار لانے کی کیا ضرورت ہوئی؟

ج: پہلے سے مراد ہے کہ باوجود لڑکی ہونے کے تجھ کو ہیکل کی خدمت کے لیے قبول فرمالیا۔ اور دوسرے سے دنیا کی عورتوں پر امتیاز کا شرف۔

س۵: اِسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اس کا نام ہوگا مسیح عیسیٰ ابن مریم بیٹے کی بشارت حضرت مریم ہی کو دی گئی۔ پھر اس کے نام میں ابن مریم لگانے کی کیا ضرورت ہوئی؟

ج: بیٹے باپوں کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں نہ کہ ماؤں کی طرف۔ اس لیے ابن مریم کہنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بن باپ کے پیدا ہوں گے۔

س۵: يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا لوگوں سے کلام کرے گا گود میں اور پوری عمر کو پہنچنے پر۔ ان دونوں زمانوں کو کلام کے لیے مخصوص کرنے میں کیا رمز ہے؟

ج: پیدا ہونے کے ساتھ ہی کسی بچہ نے کلام نہیں کیا۔ یہ خصوصیت تھی حضرت عیسیٰ کی کہ اللہ نے روح القدس سے ان کی مدد کی اور وہ پیدائش کے بعد ہی بولنے لگے اور اس کی بدولت اپنی عزت اور اپنی والدہ کے ناموس کو بچالیا اور کہلاً سے غالباً مقصود ہے ان کا دوبارہ دنیا میں آ کر نبوت کرنا۔

س۶: اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ میں تجھے وفات دوں گا اور اپنے پاس اٹھالوں گا۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کو وفات دے کر اللہ نے اٹھالیا۔

ج: یہاں عطف تفسیری ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ میں تجھ کو وفات دوں گا یعنی اپنے پاس اٹھالوں گا جس طرح ان کی ولادت غیر معمولی تھی بلا باپ کے۔ اسی طرح ان کی وفات بھی غیر معمولی ہوئی بلا موت کے۔ دو فقرے جب ہم معنی ہوتے ہیں تو ان کے درمیان واوٴ تفسیر ہی کے لیے ہوتا ہے۔ سورہ طٰہٰ کی آخری آیت ہے

Marfat.com

فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ اَصْحَابُ الصِّرَاطِ السَّوِیِّ وَ مَنِ اهْتَدٰی تم کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ کون سیدھے راستہ پر ہے یعنی کون ہدایت یافتہ ہے یہی وجہ ہے کہ سورہ نساء ۲۴ میں وفات کا لفظ نہیں صرف رفع کا ہے وَمَا قَتَلُوْهُ یَقِیْناً بَلْ رَّفَعَهُ اِلَیْهِ انھوں نے یقین کے ساتھ عیسیٰ کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اس کو اپنے پاس اٹھالیا۔

س ۶: اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَاللّٰهِ كَمَثَلِ آدَمَ عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی مثال ہے یہ کیسے؟ عیسی روح اللہ ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ عیسیٰ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور آدم ماں کے بغیر۔

ج: یہاں مماثلت کلی مقصود نہیں ہے جبکہ صرف دونوں کے بلا باپ پیدا ہونے کے ہیں۔

س ۸: قُلْ اِنَّ الْهُدٰی اللّٰهِ کہہ دے ہدایت اللہ کی ہدایت ہے۔ یہی جملہ سورہ بقرہ ۱۴ میں حصر کے ساتھ ہے۔ قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی یہاں حصر کیوں نہیں۔

ج: یہاں بھی مبتدا اور خبر کی وحدت سے حصر کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے دونوں جملوں میں معنی کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔ یہی جملہ حصر کے ساتھ سورہ انعام ۹ میں بھی ہے اور مفہوم اس کا یہ ہے کہ ہدایت اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے۔ نبی اور رسول کو بھی اللہ ہی ہدایت دے کر داعی الی اللہ اور سراج منیر ابنا تا ہے۔ خود ان کی ذات میں ہدایت نہیں ہوتی۔ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے قرآن میں اعلان کرایا گیا ہے۔ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَا اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ وَ اِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْ اِلَیَّ رَبِّیْ (سبا ۶) کہہ دے کہ اگر میں غلطی کروں گا تو اپنے نفس کے باعث اور اگر سیدھے راستہ پر چلوں گا تو اس وحی کی بدولت جو میرا رب مجھ پر اتارتا ہے۔

س ۸: مَاكَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ

Marfat.com

یَقُولُ لِلنَّاسِ کُونُوا عِبَادًا لِّی مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلٰکِنْ کُونُوا رَبَّانِیِّینَ بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْکِتَابَ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُونَ کسی بشر کو جسے اللہ کتاب اور نبوۃ دے یہ حق نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کے سوا میرے محکوم بنو۔ بلکہ اللہ والے بنو۔ اُسی کے مطابق جو تم کتاب پڑھتے پڑھاتے ہو جسے اللہ کتاب شریعت اور نبوت دے۔ سے مراد کون لوگ ہیں۔ اس کی تاویل میں اختلافات ہیں۔

ج: اس سے مراد انبیاء ہیں۔ شریعت اور نبوت ان کے سوا اور کس کو ملتی ہے۔ سورہ انعام ۱۰ میں بہت سے نبیوں کے نام لینے کے بعد فرمایا اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتَابَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّةَ یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب شریعت اور نبوت عطا فرمائی۔

س ۱۰: اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِی بِبَکَّةَ مُبَارَکًا وَّهُدًی لِّلْعَالَمِیْنَ پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ برکت والا اور اہل جہان کے لیے ہدایت۔ تعمیر کعبہ سے پہلے ہزاروں بستیاں انسانوں نے بسا رکھی تھیں اور لاکھوں گھر تھے۔

ج: یہاں بیت سے مراد ہے قبلہ۔ کعبہ سے پہلے دنیا میں اللہ کی عبادت کے لیے کوئی قبلہ نہیں تھا۔ اس کے قبلہ ہونے کا ثبوت مُبَارَکًا وَّهُدًی لِّلْعَالَمِیْنَ کے الفاظ ہیں جو اس کی صفت میں کہے گئے ہیں۔

س ۱۱: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ تم بہترین قوم تھے یہ کیوں نہ کہا گیا اَنْتُمْ خَیْرُ اُمَّةٍ تم بہترین امت ہو۔

ج: یہاں کنتم حال کے معنی میں ہے اور اس کا مفہوم بھی وہی ہے جو انتم کا ہے فرق یہ ہے کہ انتم کہہ دے سے یہ صفت عارضی اور جدید ہوتی اور کنتم سے اصلی اور علم الٰہی میں اس کے قدیم ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

س ۱۲: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تَأْکُلُوا رِبٰوا اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً اے

Marfat.com

مومنو! نہ کھاؤ سود دونے پر دونا۔ کیا اس سے کم کھاسکتے ہیں؟

ج: سورہ بقر میں سود کو مطلقاً حرام کردیا۔ اس لیے اس کی مقدار کی کمی بیشی کا کوئی سوال باقی نہیں رہا۔ یہاں تو سود کی برائی دکھائی گئی ہے کہ وہ بڑھتی ہوئی دگنی بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوجاتی ہے۔ شرح سود کم رکھنے سے فرق صرف یہ پڑے گا کہ زیادہ مدت میں دونی ہوگی۔

س ۱۴: وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللّٰهُ کون گناہوں کو معاف کرتا ہے۔ اللہ کے سوا دوسری آیت میں ہے قُلْ لِّلَّذِيْنَ آمَنُوا يَغْفِرُوْ (جاثیہ۲) کہہ دے مومنوں سے کہ معاف کردیں الآیہ ان میں تعارض کا وہم ہوتا ہے۔

ج: اللہ کی مغفرت کے معنی ہیں گناہوں کے نتیجہ سے بری کردینا۔ اور بندوں کو جو مغفرت کا حکم ہے اس کے معنی صرف نظر انداز کردینے کے ہیں۔

س ۱۷: هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللّٰهِ وہ درجے رکھتے ہیں اللہ کے یہاں۔ جنتیوں کے لیے درجات مگر جہنمیوں کے لیے درکات مناسب ہے۔ یہاں دونوں کے لیے درجات بولا گیا ہے۔

ج: یہاں ان مدارج کی بھلائی یا برائی ظاہر کرنی مقصود نہیں ہے بلکہ عمل کے لحاظ سے درجے۔ وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِمَّا عَمِلُوا (احقاف۲) اور ہر ایک کے درجے ہیں ان کے عمل کے مطابق

س ۱۹: وَقَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ اور یہود کا نبیوں کو قتل کرڈالنا۔ جو یہود نزول قرآن کے زمانہ تھے انھوں نے تو کسی نبی کو قتل نہیں کیا تھا۔

ج: یہاں یہود کے شخصی نہیں بلکہ قومی جرائم شمار کیے گئے ہیں۔ انھوں نے خود تو نہیں قتل کیا تھا مگر اپنے بزرگوں کے قتل انبیاء سے راضی تھے۔ اس لیے مجرم تھے۔

س ۲۰: إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ تو نے جس کو جہنم میں داخل کردیا اس کو خوار کردیا۔ دوسری جگہ ہے لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوا مَعَهُ (تحریم۲) اللہ نبی اور مومنوں کو خوار نہیں کریگا۔ اس سے خارجی اور معتزلی

Marfat.com

عقیدہ کی تائید ہوتی ہے کہ کوئی مومن دوزخ میں نہیں جائے گا۔

ج: یہ فرقے اعمال صالحہ کو بھی اجزاء ایمان مانتے ہیں اس لیے مومن سے ان کی مراد مومن کامل ہے جس کے دوزخ میں جانے کا کوئی بھی قائل نہیں۔ رہے گنہگار مسلمان تو ان کو باختلاف عقائد یہ کافر یا فاسق قرار دے کر دوزخ میں ڈھکیل دیتے ہیں لیکن جمہور اہل اسلام ان کی مغفرت کی امید رکھتے ہیں کیونکہ قرآن بشارت دیتا ہے لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (زہر ٦) اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

س ۲۰: لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ روئے زمین میں کفار کا تصرف تجھ کو دھوکہ میں نہ ڈالے۔ رسول اعظم کافروں کے دنیاوی جاہ و حشم سے دھوکے میں کیسے پڑ سکتے تھے۔ اس لیے نہی کا مطلب واضح نہ ہوا۔

ج: یہ نہی رسول کے ذریعہ سے امت کے لیے ہے جیسے لَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ وغیرہ۔

سورہ نساء

س ۱: خَلَقَكُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا تم کو ایک جان سے سے پیدا کیا اور اس سے اس کے جوڑے کو پیدا کیا۔ زوج کا لفظ شوہر اور بیوی دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ سورہ اعراف میں ہے وخلق منها زوجها ليسكن اليها یہاں زوج کے لیے مذکر کا صیغہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آدم ہیں نہ کہ حوا یعنی حوا سے آدم کی تخلیق ہوئی نہ کہ آدم سے حوا کی۔

ج: خَلَقَكُمْ میں ضمیر مخاطب جمع لا کر یہ بات واضح کر دی کہ یہاں فرد مراد نہیں ہے بلکہ جنس ہے جس کے اندر مذکر اور مونث سب داخل ہیں۔

س: عام عقیدہ کے مطابق اگر حوا آدم سے پیدا ہوئیں تو وہ ہماری بہن ہوئیں نہ کہ ماں۔

ج: ہماری مائیں بھی تو آدم ہی کی اولاد ہیں۔ علاوہ بریں حوا کی تخلیق بطریق ولادت نہ تھی کہ اولاد کہی جائیں۔

Marfat.com

س: لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ یتیموں کا مال نہ کھاؤ اپنے مال کے ساتھ یتیم کے مال کا کسی طرح بھی کھانا حرام ہے۔ پھر اپنے مال کے ساتھ کی شرط کس فائدہ کے لیے ہے؟

ج: عام طور پر ہوتا یہی تھا کہ ولی یتیم کو مع اس کے مال کے اپنے ساتھ شامل کر لیتا تھا اور دونوں کے مال مخلوط ہو جاتے تھے ورنہ یہ شرط نہیں ہے جیسا کہ آگے فرمایا ہے کہ جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ کو آگ سے بھرتے ہیں۔

سا: فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً اگر تم کو ڈر ہے کہ بیویوں میں عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی بیوی رکھو۔ پھر اسی سورہ کے رکوع ۱۹ میں ہے وَلَن تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ اور تم ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ عدل رکھ سکو بیویوں کے درمیان۔ لہٰذا ایک دم جھک نہ جاؤ پہلی آیت سے عدل کا امکان معلوم ہوتا ہے مگر دوسری آیت اس کو ناممکن بتاتی ہے۔ یہاں تعارض کا وہم ہوتا ہے۔

ج: سیاق وسباق پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں حقوق کا معاملہ ہے جس میں انسان عدل رکھ سکتا ہے اور دوسری آیت میں قلبی محبت کا جس میں انسان بے بس ہے اور یہ نکتہ فلا تمیلوا سے واضح ہوتا ہے کیونکہ میلان افعال قلب میں سے ہے۔

سا: وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ یتیموں کو سدھارتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ کیا بلوغ سے قبل نکاح ناجائز ہے؟

ج: جائز اور ناجائز کا ذکر نہیں۔ بلوغ سے قبل فطرتاً انسان کو نکاح کی ضرورت نہیں اور قرآن غیر فطری امر کی تعلیم نہیں دیتا۔ علاوہ بریں بلوغ سے قبل جب خود اس کا مال اس کے سپرد نہیں کیا جا سکتا تو دوسرے کی بیٹی کی جان کیسے اس کی سپردگی میں دی جائے گی۔ فقہا نے نکاح صغیرہ کا استدلال قرآن کے صرف ایک لفظ سے کیا ہے جو سورہ طلاق میں ہے اور وہ غلط فہمی پر مبنی ہے۔ وہیں پہنچ کر اس کی توضیح کی جائے گی۔

Marfat.com

س: فَاِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ اگر بیٹیاں ہوں دو سے اوپر تو ان کو متروکہ کا دوثلث ملے گا دوبیٹیوں کو بھی دوثلث ملتا ہے۔ پھر یہاں دو سے اوپر کہنے میں کیا نکتہ ہے۔ مفسرین آج تک اس کا صحیح حل نہیں بتا سکے ہیں۔ نہ فقہا۔

ج: اولاد کو جس انداز سے قرآن نے بیان کیا ہے ان کی سات صورتیں ہو سکتی ہیں جن میں سے صرف تین کے حصے اس نے بیان کیے ہیں بقیہ کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ انھیں تینوں سے ان کے حصے بھی نکل سکتے ہیں۔ وہ صورتیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) بیٹا بیٹی ملے جلے	بیٹے کو بیٹی سے دوگنا
(۲) ایک بیٹی	نصف
(۳) دو بیٹیاں	نصف
(۴) دو سے زائد بیٹیاں	دوثلث
(۵) ایک بیٹا	//
(۶) دو بیٹے	//
(۷) دو سے زائد بیٹے	//

پہلی صورت سے معلوم ہوگیا کہ بیٹے کو بیٹی سے دگنا ملتا ہے۔ دوسری صورت میں بیٹی ایک ہے۔ اس کو نصف ملا ہے۔ پانچویں صورت میں جہاں بیٹا ایک ہے بیٹی سے دگنا لے گا یعنی کل ترکہ کا وارث ہوگا جب ایک بیٹا کل ترکہ کا وارث ہے تو دو یا دو سے زائد بیٹے بھی بحصہ مساوی کل کے وارث ہوں گے۔ اب صرف دو بیٹوں کا مسئلہ رہ جاتا ہے۔ وہ اس طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ اگر ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو تو پہلی صورت کے مطابق بیٹے کو ۲/۳ اور بیٹی کو ۱/۳ حصہ ملے گا۔ جب بیٹی ایک بیٹے کے ساتھ جو قوی وارث ہے۔ ۱/۳ پاتی ہے تو ایک بیٹی کے ساتھ بھی ضرور ۱/۳ پائے گی۔ اس لیے دو بیٹیوں کا حصہ ۲/۳ رکھ دیا ہے اگر اس کو زائد دیا جائے تو دو بیٹوں کا حصہ تین بیٹوں سے زائد ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے فوق اثنتین کہا۔ اگر صرف اثنتین کہہ دیتا تو دو سے زائد بیٹیوں کا حصہ سمجھ میں نہ آتا اور اس کو الگ

Marfat.com

بیان کرنا پڑتا۔

س ۲: وَاِنْ کَانَ رَجُلٌ یُّوْرَثُ کَلٰلَۃً اَوِ امْرَاَۃٌ وَّلَہٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْہُمَا السُّدُسُ اور اگر کوئی مرد وارث بنایا جائے کلالہ کا یا کوئی عورت اور اس کے بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کو ۶/۱ حصہ دیا جائے گا۔ اس آیت میں فقہا نے حضرت ابی بن کعب سے ایک قراۃ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ کے بعد لاٗمٍّ روایت کر کے مادری بھائی بہن مراد لیے ہیں اور ان کو ذو الفروض میں داخل کیا ہے۔ کیا شاذ قرائتوں سے قرآن پر اضافہ ہو سکتا ہے۔

ج: یہ قرأت بمقابلہ قرأت متواترہ کے بالاتفاق تمام امت کے نزدیک نامقبول ہوئی اور کسی نے لام نہیں پڑھا۔ اس سے استدلال کرنا اس کو ایک ساتھ ہی نامقبول اور مقبول دونوں قرار دیتا ہے۔ تقسیم ترکہ کے اصول چونکہ حسابی ہیں اس لیے اس میں غلطی بداہتاً ظاہر ہو جاتی ہے مثلاً

زینب مسئلہ

شوہر	ماں	دو مادری بھائی	دو حقیقی بھائی
۳	۱	۲	محروم

مادری بھائی جو ممکن ہے کہ خاندان سے نہ ہوں اور ماں ان کو کسی دوسری جگہ سے لائی ہو وہ تو حصہ دار ہو جائیں اور حقیقی بھائی محروم رہیں۔ یہ کیونکر عقل گوارا کر سکتی ہے۔ اس لیے کہ حقیقی بھائی بھی تو اسی ماں سے ہیں۔ پھر باپ کی وجہ سے تو ان کا رشتہ اور بھی قوی ہو گیا ہے۔ لہٰذا فقہا کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ دراصل یہاں بھائی اور بہن کے حصے ہی نہیں بیان کیے گئے ہیں وہ تو اس سورہ کی آخری آیت میں ہیں۔ یہاں عہدی وارثوں کا حصہ ہے۔ جن کا ذکر اسی سورہ کے چوتھے رکوع میں ہے۔ وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ فَاٰتُوْہُمْ نَصِیْبَہُمْ اور جن سے تم نے عہد کر لیا ہو ان کو ان کے حصے دو۔ اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔

"اگر کوئی مرد کسی کلالہ (جس کے ماں باپ اور اولاد نہ ہوں) کا وارث بنایا جائے یا

Marfat.com

کوئی عورت بحالیکہ اس کا کلالہ کے کوئی بھائی یا بہن ہو تو اس مرد یا عورت میں سے ہر ایک کا حصہ ایک سدس ہوگا۔ بھائی اور بہن کا ذکر یہاں اس لیے کیا گیا ہے کہ معلوم ہو جائے کہ والدین یا اولاد کی طرح عہدی ورثہ کو وہ محروم نہیں کرتے ہیں[1]

س۳: اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ توبہ کا قبول کرنا اللہ کے ذمے ان لوگوں کے لیے ہے جو نادانستگی میں گناہ کر بیٹھتے ہیں کیا دانستہ گناہ کرنے والے کی توبہ قبول نہیں ہوتی؟

ج: یہاں اور سورہ انعام ۶ پھر سورہ نحل ۱۵ میں تصریح کی گئی ہے کہ لاعلمی میں جو گناہ ہو جائے اللہ اس سے توبہ قبول کر لیتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہاں یہ بھی تصریح ہے کہ جان بوجھ کر جو شخص گناہ کرتا جاتا ہے اور موت کے وقت توبہ کرتا ہے اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اب ان دونوں کے درمیان گناہ کی جو صورتیں ہیں ان سے توبہ کی قبولیت کا نہ وعدہ ہے نہ عدم قبولیت کا اظہار مگر مغفرت کی امید جابجا دلائی گئی ہیں۔

س۵: لَاتَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ تم نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق مگر یہ کہ تجارت ہو باہمی خوشی سے۔ تجارت کے علاوہ ہبہ، صدقہ، خیرات اور ضیافت وغیرہ کا مال کھانا بھی حلال ہے پھر تجارت کی کیا خصوصیت ہے؟

ج: اس لیے تجارت کا نام لیا گیا کہ رزق کے سامان کا بڑا ذریعہ وہی ہے جس پر دوسرے حلال ذرائع قیاس کیے جا سکتے ہیں۔ فہرست کی ضرورت نہیں۔

س۸: كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا جب جہنمیوں کی کھالیں پک جائیں گی دوسری کھال بدل دیں گے۔ وہ دوسری کھال تو معصوم ہوگی کس گناہ میں جلائی جائے گی؟

ج: اللہ ہی جانتا ہے کہ کھالوں کی تبدیلی کس طرح ہوگی۔ یہ آیت متشابہات میں سے

---

[1] اس مسئلہ کو مدلل طریقہ سے ہم نے اپنے رسالہ محجوب الارث میں لکھ دیا ہے جو کئی بار شائع ہو چکا ہے۔ نیز الوراثۃ فی الاسلام میں بھی

Marfat.com

ہے۔اس پر جو بحثیں کی گئی ہیں محض طفلانہ ہیں۔

س۹: اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء صدیقین۔شہداء اور صالحین۔عام بول چال میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف بڑھتے ہیں۔یہاں برعکس ہونے کی کیا وجہ ہے؟

ج: کوئی ضروری نہیں ہے اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف بھی اترتے ہیں اور چونکہ ہر مسلمان کو سورہ فاتحہ میں سکھایا گیا ہے کہ ان حضرات کے راستہ کی دعا مانگے اس لیے مزید ترغیب کے لیے یہی طریقۂ بیان یہاں مناسب ہے؟

س: اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفاً شیطان کا فریب کمزور ہے اور عورتوں کے متعلق ہے اِنَّ کَیْدَ کُنَّ عَظِیْمٌ (یوسف ۳) تمھارا فریب بڑا ہے۔حالانکہ شیطان کے فریبوں کا استاد ہے۔اس کے مقابلہ میں عورتیں کیا حیثیت رکھتی ہیں۔

ج: شیطان کا مکر بمقابلہ نصرت الٰہی کے کمزور ہے اور عورتوں کا فریب بمقابلہ مردوں کے بڑا ہے۔

س۱۱: قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ کہہ دے کہ بھلائی اور برائی سب اللہ کی طرف سے ہے۔پھر اس کے بعد ہے کہ جو بھلائی تجھے ملے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی ملے وہ خود تیری طرف سے ہے۔اس لیے دونوں میں تعارض کا خیال ہوتا ہے۔

ج: بُرائی ہماری طرف سے اس لیے ہے کہ اس کے اسباب ہماری طرف سے ہوتے ہیں مگر وہ پہنچتی ہیں مشیت الٰہی کے ماتحت۔اس لیے تعارض نہیں ہے۔

س۱۱: لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافاً کَثِیْراً قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے۔اس سے کم اختلافات کی نفی نہیں ہوتی۔

ج: کثیر کا لفظ مقابلۃً استعمال ہوا ہے۔مفہوم یہ ہے کہ وہ قرآن میں غور نہیں کرتے کیا اس میں کوئی اختلاف ہے؟ اگر وہ اللہ پاک کی طرف سے نہ ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے نہ کہ تھوڑے۔

Marfat.com

س: مَا كَانَ لِمُؤمِنٍ اَنْ يَقْتُلَ مُؤمِناً اِلّا خَطَأً کسی مومن کو حق نہیں کہ مار ڈالے کسی مومن کو حق نہیں کہ مار ڈالے کسی مومن کو مگر چوک سے۔ کیا چوک سے مار ڈالنے کا حق ہے۔

ج: چوک بالا رادہ نہیں ہوتی اس لیے اس سے کوئی حق پیدا نہیں ہوتا۔

۱۸
س: اَنْ يَّدْعُونَ مِنْ دُونِهٖ اِلّا اِنَاثاً مشرک کے سوا نہیں پکارتے ہیں مگر دیبیوں کو۔ اس کے آگے ہے کہ وہ نہیں پکارتے ہیں مگر شیطان کو۔ دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

ج: وہ پکارتے تھے لات۔ منات اور عزے کو جو دیبیاں تھیں۔ باغوائے شیطان اس لیے دیبیوں کو پکارنا ہی شیطان کو پکارنا تھا۔

۱۸
س: مَنْ يَعْمَلْ سُوأً يُجْزَبِهٖ جو کوئی بُرا عمل کرے گا اس کو بدلہ ملے گا۔ کیا بُرے عمل معاف نہیں ہوتے؟

ج: یہ اس خیال کے جواب میں کہا گیا ہے جو یہود اور بعض مسلمان رکھتے تھے کہ ہم کو بُرے اعمال کی سزا نہ ملے گی۔ یہاں زور ''جو کوئی'' پر ہے بُرے عمل پر نہیں ہے۔ اس وجہ سے اس سے معافی کی نفی نہیں نکلتی۔

۲۰
س: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللّٰهِ وَ رَسُولِهٖ اے مومنو! ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر، کیا مومنوں سے ایمان کا مطالبہ تحصیل حاصل نہیں ہے؟

ج: اس مطالبہ سے مقصود ایمان پر ثابت قدمی ہے کیونکہ اس کے بعد ہے کہ اگر ایمان سے روگردانی کروگے تو سخت گمراہی میں جا پڑوگے۔

۲۱
س: اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ اَسْفَلَ مِنَ النَّار منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔ منافقین کم سے کم زبان سے تو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں پھر ان کی سزا کافروں سے سخت کیوں ہے؟

ج: اس لیے کہ کفر میں دل سے وہ کفار کے ساتھ ہیں اور زبان سے اللہ۔ رسول اور مومنوں کو دھوکا بھی دیتے ہیں۔

Marfat.com

س: اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِيۡحَ عِيۡسَى بۡنَ مَرۡيَمَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ بن مریم کو قتل کرڈالا۔ یہود حضرت عیسیٰ کی رسالت کے قائل نہیں ہیں پھر کیسے ان کو رسول اللہ کہا؟

ج: مذاق اڑانے کے لیے جیسے فرعون نے حضرت موسیٰ کی نسبت کہا اِنَّ رَسُوۡلَكُمُ الَّذِيۡۤ اُرۡسِلَ اِلَيۡكُمۡ لَمَجۡنُوۡنٌ (شعراء۲) جو رسول تمھاری طرف بھیجا گیا ہے وہ پاگل ہے (نعوذ باللہ)

س۲۲: وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ سارے اہل کتاب موت سے پہلے اس پر ایمان لائیں گے۔ یہاں بہ اور موتہ کی واحد غائب ضمیروں کے مرجع میں بہت اختلاف کیے گئے ہیں۔

ج: عربیت کے جملہ اصول نیز سیاق وسباق کے لحاظ سے ان دونوں ضمیروں کا مرجع سوائے حضرت عیسیٰ کے اور کوئی نہیں ہوسکتا اور اس آیت سے نصاً نہیں مگر التزاماً یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے اور جملہ اہل کتاب ان پر ایمان لائیں گے۔ سورہ زخرف ۶ میں ہے وَاِنَّهٗ لَعِلۡمٌ لِّلسَّاعَةِ اور عیسیٰ قیامت کی نشانی ہیں۔

س۲۳: لِئَلَّا يَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ تاکہ رسولوں کے بعد انسانوں کو اللہ کے اوپر حجت باقی نہ رہ جائے۔ کس بات کی حجت؟

ج: عہد اَلَسۡتُ کے بعد اللہ نے بنی آدم سے کہا تھا کہ دیکھو ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن آکر کہنے لگو کہ ہم اس کو بھول گئے تھے مگر وہ عہد دنیا میں آنے کے بعد ہم میں سے کس کو یاد ہے؟ اس لیے بھولنے کا عذر معقول ہوتا لیکن اللہ نے دنیا میں رسولوں کا سلسلہ جاری کردیا تاکہ اس عہد کو یاد دلاتے رہیں۔ لہٰذا انسانوں کو قیامت کے دن یہ کہنے کا حق نہیں رہا کہ ہم بھول گئے تھے۔

س: اَنۡزَلَهٗ بِعِلۡمِهٖ اللہ نے قرآن کو اتارا اپنے علم کے ساتھ۔ اللہ کے افعال اس کی قدرت سے ہوتے ہیں یہاں علم کو کیوں مخصوص فرمایا؟

Marfat.com

ج: اس کی وضاحت سورۂ ہود ۲ سے ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مشرکوں سے کہو کہ قرآن جیسی دس سورتیں گھڑ کر بنائیں۔ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ فَاعْلَمُوْا اِنَّمَا اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰہِ اگر وہ نہ بنا سکیں تو یقین کر لو کہ قرآن اللہ کے علم کے ساتھ اترا ہے۔ بندوں کے پاس وہ علم کہاں۔

س: اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن علم ہی کے لحاظ سے معجزہ ہے۔

ج: یہ بحث اعجاز قرآن کی ہے اور ہم نکات قرآن لکھنے بیٹھے ہیں مگر تاہم اتنا کہہ دینا بے موقع نہ ہوگا کہ اسی آیت سے عبارت کا اعجاز کا بھی ثبوت ملتا ہے کیونکہ ان سے کہا گیا تھا کہ وہ گھڑ کر ہی ایسی سورتیں بنائیں اور جب نہ بنا سکے تو اس کی عبارت معجزہ ہے۔

س ۲۴: اِنِ امْرُؤٌ ھَلَکَ لَیْسَ لَہٗ وَلَدٌ وَّ لَہٗ اُخْتٌ فَلَھَا نِصْفُ مَا تَرَکَ وَھُوَ یَرِثُھَا اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّھَا وَلَدٌ اگر کوئی مرد مر گیا جس کے کوئی اولاد نہ ہے اور اس کی بہن ہے تو بہن کو نصف ملے گا متروکہ کا اور بھائی بہن کا وارث ہوگا۔ اگر بہن کے کوئی اولاد نہ ہو مگر فقہ فرائض میں تو بیٹی کے ہوتے ہوئے بہن وارث قرار دی گئی ہے۔

ج: ہاں اللہ نے تو ایک ہی آیت میں دو مرتبہ تصریح کی کہ بہن یا بھائی اسی وقت وارث ہوں گے جب میت کی کوئی اولاد نہ ہو مگر ہمارے فقہاء نے کہا کہ اولاد ہوگی تب بھی ہم ان کو ترکہ دیں گے۔

سورۂ مائدہ

س ۱: یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۔ اُحِلَّتْ لَکُمْ بَھِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ اے مومنو! اپنے اقرار پورے کرو۔ تمہارے لیے چرندے چوپائے حلال کیے گئے۔ دونوں جملوں میں ربط کی کیا صورت ہے۔؟

ج: ایمان لانا اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ اللہ نے جن چیزوں کو حلال کیا ہے ان کو حلال

Marfat.com

اور جن کو حرام کیا ہے ان کو حرام سمجھیں گے۔ اس کے بعد حلال اور حرام کی مفصل تشریح کی گئی ہے۔

س: حرام چوپایوں میں مَا اَکَلَ السَّبُعُ کو بھی شمار کیا ہے حالانکہ درندہ جس کو کھا گیا اس کی حلت و حرمت کا سوال ہی باقی نہیں رہا۔

ج: اس کے معنی ہیں درندہ کے کھانے سے جو مر چکا اس سے جو بچ گیا ہے وہ حرام ہے۔

س: اَلْیَومَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً آج میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمھارے اوپر پوری کر دی اور تمھارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔ کیا اس آج سے پہلے دین اسلام پسند نہیں تھا؟

ج: اَلْیَـــومَ یعنی آج پہلے دونوں جملوں کے ساتھ ہے۔ تیسرا جملہ مطلق ہے۔ اسلام سے اللہ کی رضا ہمیشہ سے ہے جس کا ثبوت قرآن کی متعدد آیات سے ملتا ہے۔

س: اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ تمھارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئیں اور جو شکاری جانور تم نے سدھائے، کیا شکاری جانور بھی حلال کر دیے گئے ہیں۔

ج: شکاری جانوروں کا شکار حلال کیا گیا ہے جس کی تصریح آگے ہے۔ فَکُلُوا مِمَّا اَمْسَکْنَ عَلَیْکُمْ ان کو کھاؤ جن کو یہ تمھارے لیے پکڑ لیں۔

س: وَمَنْ یَکْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُہٗ جو ایمان سے کفر کرے گا اس کے عمل اکارت جائیں گے۔ کفر بالایمان کا مقابل ہوگا ایمان بالایمان اور اس کے تو کچھ معنی نہیں۔

ج: کفر کے اصل معنی ہیں انکار۔ ایمان سے انکار ارتداد ہے جو مرتد ہو گیا اس کے عمل اکارت گئے۔

س: یَا اَہْلَ الْکِتَابِ قَدْ جَاءَ کُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْراً مِمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتَابِ وَ یَعْفُوا عَنْ کَثِیْرٍ اے اہل کتاب

Marfat.com

تمھارے پاس ہمارا رسول آ گیا۔ وہ تم سے ظاہر کر دیتا ہے بہت سی باتیں توریت کی جن کو تم چھپاتے ہو اور بہت سی باتوں سے چشم پوشی کرتا ہے۔ رسول کے لیے کتمان حق کیسے جائز رکھا گیا؟

ج: کتمان حق نہیں بلکہ عدم اظہار باطل دین کے لیے جن امور کا اظہار ضروری تھا کیا جاتا تھا اور جن سے محض یہود کی ہتک حرمت ہوتی تھی ان سے چشم پوشی کی جاتی تھی۔

س ۴: کِتَابٌ مُبِیْنٌ یَهْدِی بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَه واضح کتاب جس کے ذریعہ سے اللہ اس کو ہدایت کرتا ہے جو اس کی رضا کا تابع ہو، رضا کا تابع ہونا ہدایت پر موقوف ہے اور ہدایت رضا کے تابع ہونے پر یہ تو دور لازم آتا ہے۔

ج: یہاں اضمار ہے یعنی اللہ اس کو ہدایت کرتا ہے جو اس کی رضا کے تابع ہونے کا ارادہ کرے۔

س ۵: فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ قابیل ہابیل کو قتل کر کے نادم ہوا۔ ندامت توبہ ہے۔ پھر اس کا شمار خاسرین میں کیوں ہوا؟

ج: حقوق العباد میں توبہ سے کام نہیں چلتا۔ پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ قتل پر نادم ہوا تھا یا اس بات پر کہ اس کو ٹھکانے سے نہیں لگا سکا۔

س ۶: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِه اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ اور جہاد کرو اس کی راہ میں۔ یہاں وسیلہ کے کیا معنی ہیں؟ بہت سے لوگ اللہ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے مشائخ کو اپنا وسیلہ بناتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

ج: اللہ اپنے بندوں سے ان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اس لیے بندے اور اس کے معبود کے درمیان کسی انسانی وسیلہ کی گنجایش ہی نہیں۔ وسیلہ کے معنی ہیں قرب کے اور یہ تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ سے حاصل ہوتا ہے۔ یہاں تلاش وسیلہ کی تفسیر ہے جہاد فی سبیل اللہ سورہ بنی اسرائیل ۶ میں بھی وسیلہ کا لفظ آیا ہے اور وہاں بھی اس کے یہی معنی ہیں۔ قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُوْنِه فَلَا

Marfat.com

یَمۡلِکُوۡنَ کَشۡفَ الضُّرِّ عَنۡکُمۡ وَلَاتَحۡوِیۡلًا ۝ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ یَبۡتَغُوۡنَ اِلٰی رَبِّہِمُ الۡوَسِیۡلَۃَ اَیُّہُمۡ اَقۡرَبُ وَ یَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَہٗ وَ یَخَافُوۡنَ عَذَابَہٗ کہہ دے کہ اللہ کے سوا جن کو تم مانتے ہو پکارو وہ نہ تمھاری مصیبت دفع کر سکیں گے نہ ٹال سکیں گے۔ خود وہ دعا کرتے ہیں اور اپنے رب کی طرف قربت ڈھونڈ رہے ہیں۔ وہ بھی جو ان میں سے سب سے زیادہ قریب ہے اور امید رکھتے ہیں اللہ کی رحمت کی اور ڈرتے ہیں اس کے عذاب سے کسی انسان سے خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو۔ صرف علم حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ہدایت کے لیے قرآن ہی ہے۔ اسی کے ذریعہ سے قرب کی راہیں ملتی ہیں۔

س ۶: اَلسَّارِقُ وَ السَّارِقَۃُ فَاقۡطَعُوۡا اَیۡدِیَہُمَا چور مرد اور چور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ لو۔ یہاں سرقہ کی حد میں مذکر پہلے ہے اور مونث اس کے بعد۔ سورۂ نور کے پہلے رکوع میں زنا کی حد میں پہلے مونث ہے اور مذکر اس کے بعد اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِی فَاجۡلِدُوۡا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا۔

ج: غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ سرقہ کا اقدام زیادہ تر مرد کرتے ہیں۔

س ۹: بِشَرٍّ مِّنۡ ذٰلِکَ مَثُوۡبَۃً اس سے برا نتیجہ۔ ثواب کا لفظ نیک انجام کے لیے ہے اور یہاں بُرے کے لیے استعمال ہوا ہے؟

ج: ثواب کا مفہوم مطلق جزا ہے بُری ہو یا اچھی۔ اسی سورہ ۱۱ میں ہے فَاَثَابَہُمُ اللّٰہُ بِمَا قَالُوۡا جنّٰت اللہ نے ان کے اس قول کے عوض میں ان کو جنتیں دیں اور آل عمران ۱۱ میں ہے فَاَثَابَکُمۡ غَمًّا بِغَمٍّ بدلہ دیا تم کو غم پر غم۔

س ۱۰: وَ اِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَہٗ اگر تو نے تبلیغ نہ کی تو اس کا پیغام نہیں پہنچایا۔ کیا یہاں شرط اور جزاء کا ایک ہی مفہوم ہے؟

ج: پیغمبر کا سب سے بڑا فریضہ ہے تبلیغ۔ یہاں مطلب یہ ہوا کہ اگر تبلیغ نہ کی تو اپنے فریضہ کو ادا نہ کیا۔

س: وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ اللہ تجھ کو انسانوں سے محفوظ رکھے گا پھر احد

Marfat.com

میں کیوں رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر زخم آیا اور دندان مبارک شہید ہوئے۔

ج: یہ آیت جنگ احد کے بعد نازل ہوئی ہے۔

س ۱۴: ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْراً وَ ضَلُّوْا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيْلِ جو پہلے گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھے راستہ سے گمراہ ہوئے ایک ہی جملہ میں دو مرتبہ گمراہ ہوئے کس مقصد کے لیے کہا گیا؟

ج: آیت میں نصاریٰ کا ذکر ہے۔ پہلی گمراہی ان کی یہ تھی کہ انجیل کو چھوڑا اور دوسری یہ کہ قرآن جب اترا تو اس پر ایمان نہ لائے۔

س ۱۵: يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَا اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ جس دن اللہ رسولوں کو جمع کرے گا ان سے پوچھے گا کہ تم کو کیا جواب ملا وہ کہیں گے ہم کو کچھ علم نہیں تو ہی غیب کی باتوں کو جانتا ہے اور سورہ ھود ۲ میں ہے وَ يَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰۤؤُلَاۤءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ گواہی دینے والے (رسول) کہیں گے یہ ہیں جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا۔ ایک جگہ تو رسول لاعلمی ظاہر کرتے ہیں اور دوسری جگہ اپنی قوم کے خلاف گواہی دیتے ہیں۔ ان میں باہم تعارض کا خیال ہوتا ہے۔

ج: گواہی دینے والے یعنی انبیاء گواہی دیں گے ان باتوں کی جو ان کی زندگی میں ہوئیں اور لاعلمی ظاہر کریں گے ان اعمال سے جو ان کے بعد ان کی قوموں نے کیے۔ یہ نکتہ پہلی آیت میں عَلَّامُ الْغُيُوْبِ کے لفظ سے حل ہوتا ہے یعنی ہماری عدم موجودگی میں جو کچھ ہوا اس کو تو ہی خوب جانتا ہے کیونکہ علام الغیوب ہے ہم بے خبر ہیں۔

س ۱۶: هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَاۤئِدَةً مِّنَ السَّمَاۤءِ کیا تیرا رب آسمان سے ہمارے لیے خوان اتار سکتا ہے؟ کیا یہ قدرت الٰہی میں شک نہیں ہے؟

ج: یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی محتاج کسی غنی سے کہے کہ آپ مجھے کچھ دے سکتے ہیں؟ بے

Marfat.com

شک اس میں بے ادبی کا ایک پہلو ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عیسیٰ نے ان کو تنبیہ کی اور کہا اللہ سے ڈرو مگر اللہ نے ان نومسلموں کے قصور پر پردہ ڈال دیا ہے۔

س۱۶: فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ جب سے تو نے مجھے وفات دے دی اس وقت سے تو خود ان کا نگراں ہے۔ حضرت عیسیٰ نے یہاں اپنے لیے وفات کا لفظ استعمال کیا حالانکہ وہ تو زندہ اٹھا لیے گئے تھے۔

ج: توفیتنی کے معنی میرے دنیا میں رہنے کے دن پورے کر دیے۔ جان نکالنے کے معنی نہیں ہیں۔ علاوہ بریں یہ سوال و جواب تو قیامت کے دن ہوگا۔ پھر اس میں اشکال کیا رہا۔

س: هَٰذَا يَوْمُ يَنفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ یہ دن ہے کہ سچوں کو ان کی سچائی نفع دے گی۔ اگر مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن وہ سچائی نفع دے گی جو دنیا میں ہوئی تو جواب موقع کے مطابق نہیں۔ کیونکہ اس میں حضرت عیسیٰ کی اس سچی شہادت کا نفع بیان کیا گیا ہے جو وہ قیامت کے دن دیں گے اور اگر مراد وہ سچائی ہے جو قیامت کے دن ہوگی تو وہ دار عمل نہیں ہے بلکہ دار مکافات ہے۔

ج: صدق سے مراد ہے مطلق بلا قید زمان و مکان دنیا اور آخرت دونوں میں۔

سورہ انعام

س۱: خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ اللہ نے آسمانوں کو پیدا کیا اور زمین کو اور تاریکیوں کو بنایا اور نور کو۔ کیا خلق اور جعل میں معنی کے لحاظ سے فرق ہے؟ پھر ظلمات کا لفظ جمع ہے اور نور کا مفرد۔

ج: فرق ہے اگر یہاں دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے تو سیع عبارت کے لیے دو مختلف الفاظ لائے گئے ہیں اور عطف میں جمع اور مفرد کا استعمال عام ہے پہلے ہی فقرہ میں ہے سمٰوات اور ارض جمع اور مفرد۔

س۲: قُلِ اللَّهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ کہہ دے کہ میرے اور تمہارے درمیان

Marfat.com

اللہ گواہ ہے کسی دعویٰ کرنے والے لیے یہ شہادت کیونکر کافی ہوسکتی ہے؟

ج: بے شک کسی مدعی کے لیے صرف اللہ کو شہادت میں پیش کرنا کافی نہیں ہے لیکن یہاں اس شہادت کے بعد قرآن میں پیش کیا گیا ہے جس کے مقابلہ سے دنیا عاجز ہے۔

س۳: وَاللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ مشرک قیامت میں کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار اللہ کی قسم ہم مشرک نہ تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ شرک کو چھپائیں گے۔ حالانکہ سورہ نساء میں ہے فَلَا یَکْتُمُوْنَ اللّٰہَ حَدِیْثًا وہ اللہ سے کوئی بات چھپائیں گے نہیں۔

ج: مشرک جھوٹی قسم کھا کر اپنے شرک کو چھپانے کی کوشش کریں گے لیکن وہ چھپا نہ سکیں گے کیونکہ ان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور ان کے ہاتھ اور پاؤں گواہی دینے لگیں گے جیسا کہ فرمایا اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاھِھِمْ وَ تُکَلِّمُنَا اَیْدِیْھِمْ وَ تَشْھَدُ اَرْجُلُھُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ (یٰسین ۴)۔ اس لیے نہیں چھپائیں گے معنی ہوئے نہیں چھپا سکیں گے۔

س۴: وَ اِنْ کَانَ کَبُرَ عَلَیْکَمْ اِعْرَاضُھُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ فَتَأْتِیَھُمْ بِاٰیَۃٍ وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَمَعَھُمْ عَلَی الْھُدٰی فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْجَاھِلِیْنَ اگر تیرے اوپر مشرکوں کی روگردانی گراں گزرتی ہے تو اگر تجھ سے ہوسکے تو زمین میں کوئی سوراخ تلاش کر یا آسمان پر سیڑھی لگا اور ان کے لیے نشانی لا۔ اللہ اگر چاہتا تو سب کو سیدھے راستے لگا دیتا۔ تو جاہلوں میں سے نہ بن۔
اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو کوئی معجزہ نہیں دیا گیا بلکہ اس کی خواہش پر عتاب فرمایا گیا۔

ج: خاتم النبیین کو عقلی معجزہ قرآن دیا گیا جو ہمیشہ کے لیے قائم ہے۔ مشرکین چاہتے تھے۔ کوئی حسی معجزہ جو آنکھوں سے دیکھا جا سکے۔ فَلْیَأْتِنَا بِاٰیَۃٍ کَمَا اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ۔ (انبیاء ۱) چاہیے کہ لائے وہ ہمارے لیے ایسی نشانی جیسی پہلے رسولوں

Marfat.com

کو ملی۔ سورہ قصص ۵ میں ہے لولا اوتی مثل ما اوتی موسیٰ کیوں نہ اس کو نشانی دی گئی جیسی موسیٰ کو دی گئی تھی۔ آنحضرتؐ کی خواہش تھی کہ کوئی نشانی جیسی کہ یہ منکرین طلب کرتے ہیں مل جاتی تو میں ان کو قائل کر کے مسلمان بنالیتا اس پر عتاب اترا ہے۔[1]

س: فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ تو ہرگز جاہلوں میں سے نہ بن۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ خطاب بہت سخت ہے اور حضرت نوح کے ساتھ اِنِّی اَعِظُكَ اَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ (ہود ۴)، میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں سے نہ بن۔ بمقابلہ اس کے نرم ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

ج: حضرت نوحؑ بالکل ناواقف تھے کہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے نہیں ہے۔ اسی بنا پر انھوں نے اللہ کے سامنے اس کے وعدہ کو پیش کیا۔ لہٰذا وہ معذور تھے اور خاتم النبیین پر کفار کی روگردانی معجزہ نہ ملنے کی وجہ سے جو گراں گزرتی تھی اس میں وہ معذور نہ تھے۔ کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ بلا مشیت الٰہی کے ان کا ایمان لانا ناممکن ہے خواہ ہزاروں معجزے دکھائے جائیں۔

س: وَقَالُوا لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يُنَزِّلَ آيَه اور مشرکوں نے کہا کہ اس نبی پر معجزہ کیوں نہ اتارا گیا۔ کہہ دے اللہ معجزہ اتارنے پر قادر ہے یہ تو ایسی بات ہے کہ ہر مدعی نبوت کہہ سکتا ہے۔

ج: لیکن جب تک وہ اپنی نبوت کا ثبوت نہ دے اس کی بات صحیح نہ ہوگی اور آنحضرتؐ تو اپنی نبوت کا ثبوت قرآن کا معجزہ پیش کر کے دے چکے تھے۔ منکرین ایسا معجزہ چاہتے تھے جو بصیرت سے نہیں بلکہ بصارت سے دیکھا جائے جیسے حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کے معجزات تھے۔ اس کی بابت کہا گیا کہ اللہ ایسا معجزہ اتارنے پر بھی قادر ہے۔

س: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ نہیں ہے کوئی چلنے والا زمین پر اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے دو بازوؤں سے اڑتا ہے۔ دابۃ زمین

---

[1] معجزہ کی بحث ہم نے اپنی کتاب "تعلیمات قرآن" میں کسی قدر مفصل لکھ دی ہے۔

Marfat.com

پر چلنے والے ہی کو کہتے ہیں پھر فی الارض کس مصلحت سے لایا گیا۔ اسی طرح ہر پرندہ اپنے دونوں بازو ہی سے اڑتا ہے۔ اس کے اظہار میں کیا فائدہ ہے۔

ج: کلام میں ان متعلقات کا اظہار تاکید کے لیے ہوا کرتا ہے۔ خود قرآن میں اس کی مثالیں ہیں۔ اِلٰهَيۡنِ اثۡنَيۡنِ يَقُوۡلُوۡنَ بِاَلۡسِنَتِهِمۡ۔

س۵: قُلۡ لَّاۤ اَقُوۡلُ لَـكُمۡ عِنۡدِىۡ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ وَلَاۤ اَقُوۡلُ لَـكُمۡ اِنِّىۡ مَلَكٌ ۔ کہہ دے کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ غیب جانتا ہوں اور نہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ پہلے اور تیسرے جملہ میں لا اقول ہے اور بیچ کے جملہ میں نہیں ہے۔ اس میں کیا رمز ہے؟

ج: اس زمانہ میں کاہن اور نجومی وغیرہ بزعم خود غیب کی خبریں بیان کرتے تھے اور لوگ عام طور پر ان کو مانتے تھے۔ اس لیے رسول کی ذات سے اس کی مطلق نفی کی گئی۔ بخلاف اس کے کسی بشر کے خزائن الٰہی کے مالک یا فرشتہ ہونے کا خیال عام نہیں تھا ان کی نفی کے لیے لا اقول کا لفظ کافی تھا۔

س۸: رُدُّوۡۤا اِلَى اللّٰهِ مَوۡلٰٮهُمُ الۡحَـقِّ وہ پلٹائے جائیں گے اللہ کی طرف جو ان کا حقیقی مولا ہے۔ سورہ محمد میں ہے۔ وَاَنَّ الۡكٰفِرِيۡنَ لَا مَوۡلٰى لَهُمۡ کافروں کے کا کوئی مولا نہیں ہے۔ کیا تعارض نہیں ہے؟

ج: مولا کے بہت سے معانی ہیں۔ پہلی آیت میں اس سے معبود مراد ہے اور دوسری میں مددگار۔ اس لیے تعارض نہیں ہے۔

س۹: وَلَهُ الۡمُلۡكُ يَوۡمَ يُنۡفَخُ فِى الصُّوۡرِ اسی کا ملک ہوگا جس دن صور پھونکا جائے گا۔ ملک تو ہمیشہ سے اسی کا ہے۔ قیامت کے دن کیا کی خصوصیت ہے؟

ج: یہ بات قرآن میں کئی جگہ بیان کی گئی ہے۔ سورہ مومن ۲ میں ہے لِمَنِ الۡمُلۡكُ الۡيَوۡمَ لِلّٰهِ الۡوَاحِدِ الۡقَهَّارِ آج کس کی حکومت ہے؟ قابو رکھنے والے اکیلے اللہ کی۔ سورہ انفطار میں ہے يَوۡمَ لَا تَمۡلِكُ نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَيۡـئًا وَالۡاَمۡرُ يَوۡمَئِذٍ لِّلّٰهِ اس دن کوئی کسی کا بھلا نہ کر سکے گا اور اس دن اللہ ہی کا حکم

Marfat.com

ہوگا۔اس آیت سے قیامت کے دن کی خصوصیت واضح ہوجاتی ہے۔کیونکہ دنیا میں کچھ نہ کچھ بھلائی ایک دوسرے کے ساتھ کرسکتا ہے اور کہنے کو حکومت اور ملکیت بھی لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اس دن سب کچھ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہوگا۔

س ۱۳: وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَ يَعْقُوبَ ہم نے ابراہیم کو بخشا اسحاق اور یعقوب۔ یہاں اللہ کے احسان کا ذکر ہے پھر اسماعیل کا نام کیوں نہ لیا گیا وہ تو بڑے بیٹے تھے۔

ج: حضرت اسحاق اور ان کے بیٹے یعقوب کی بشارت فرشتے اس وقت لائے تھے جب حضرت ابراہیم بہت کہن سال اور ان کی بیوی حضرت سارہ بہت بڑھی ہوچکی تھیں۔اس لیے وہ نعمت غیر مترقبہ تھے اور حضرت اسماعیل بہت پہلے پیدا ہوچکے تھے اور اس بیوی سے نہ تھے جس سے وہ اولاد کے خواہش مند تھے۔

س: حضرت اسحاق ابراہیم کے بیٹے تھے لیکن یعقوب تو پوتے تھے ان کا ذکر اس موقع پر کس وجہ سے کیا گیا؟

ج: صرف اس موقع پر نہیں بلکہ فرشتے جب ان کے پاس آئے تھے اس وقت بھی اللہ کی طرف سے ان کی بیوی سارہ کو ان دونوں کی ساتھ ساتھ بشارت دی گئی تھی فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَاءِ إِسْحٰقَ يَعْقُوبَ (ہود ۷) ہم اس کو خوشخبری دی اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی۔اس میں اشارہ ہے اس بات کا کہ ذبیح اسحاق نہیں ہوسکتے کیونکہ ان سے یعقوب کے پیدا ہونے کا وعدہ کیا گیا ہے۔

س ۱۴: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ایسا ہی ہم نے بنائے ہر نبی کے دشمن انس اور جن شیاطین، جو سکھاتے ہیں ایک دوسرے کو ملمع کی ہوئی دھوکہ دینے والی باتیں۔شیاطین تو ہر نیکی کے دشمن ہیں انبیا کی کیا خصوصیت ہے؟

ج: اس سورہ کی پہلی آیت میں ہے کہ اللہ نے ظلمت اور نور کو بنایا۔نبی سراجاً منیرا اور ہدایت کا مینارہ ہوتا ہے اس وجہ سے شیاطین یعنی کذابین اپنی پوری طاقت لگاتے

Marfat.com

ہیں کہ اس روشنی کو بجھا دیں۔ایک قسم ان شیاطین کی وہ ہے جو نبی کے اوپر اتری ہوئی آیتوں میں اپنی طرف سے الفاظ ڈالتی ہے جن سے ان کے معانی بدل جائیں جیسا کہ سورہ حج ۷ میں ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنَاكَ مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰى اَلْقَى الشَّيْطَانُ فِيْ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ آيَاتِهٖ تجھ سے پہلے ہم نے جو رسول یا نبی بھیجا اس نے جب تلاوت کی۔شیطان نے اس کی تلاوت میں ملاوٹ کر دی اللہ اس کی ملاوٹ کو مٹا کر اپنی آیتوں کو پختہ کر دیتا ہے۔

یعنی آیات الٰہی میں یہ شیاطین اضافے یا الحاق یا تغیر و تبدل وغیرہ کرتے ہیں۔اللہ نے اس کی ذمہ داری لی کہ ہم ان کی ملاوٹ نکال کر اپنی آیتوں کو پکی کر دیں۔[۱] دوسری قسم کے شیاطین کو ذکر یہاں ہے کہ وہ نبی کے متعلق یا اس کے نام سے طرح طرح کی جھوٹی روایتیں گھڑ کر لوگوں میں پھیلاتے ہیں کہ دین الٰہی پر پردہ ڈال دیں ان کی بابت حکم دیا فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ان کو چھوڑ دو اور ان کی گھڑی ہوئی باتوں کو بھی۔

س ۱۴: وَهُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا وہی ہے جس نے تمھاری طرف مفصل کتاب اتاری ہے۔یہ کتاب رسول ؐ کی طرف اتاری گئی ہے اور یہاں ضمیر جمع مخاطب کی لائی گئی ہے۔پھر مفصل کا مطلب کیا ہے؟

ج: قرآن نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا ہے سارے انسانوں کے لیے اِنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ہم نے انسانوں کی ہدایت کے لیے تیرے اوپر کتاب نازل کی ہے حق کے ساتھ۔اسی وجہ سے قرآن میں جا بجا تنزیل کی نسبت جمع مخاطب کی طرف کی گئی ہے اور مفصل کا مطلب یہ ہے کہ قرآنی آیات کی تفصیل قرآن ہی میں کر دی گئی ہے۔سورہ ہود کی پہلی آیت ہے كِتَابٌ اُحْكِمَتْ آيَاتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ عظیم الشان کتاب جس کی آیات محکم بنائی گئیں پھر ان کی تفصیل حکمت اور خبر رکھنے والے اللہ

---

[۱] اس کی تفصیل سورہ حج میں اپنے موقع پر آئے گی

Marfat.com

کی طرف سے کی گئی۔ اس لیے قرآن اپنی تفصیل میں کسی دوسرے کا محتاج نہیں۔

س ۱۶: قَتَلُوا اَوْلَادَهُمْ سَفَهاً بِغَيْرِ عِلْمٍ انھوں نے اپنی اولاد کو قتل کیا نادانی سے بے سمجھے نادانی میں بے سمجھی بھی داخل ہے۔ پھر اس کا اظہار کس غرض سے ہے؟

ج: مزید قباحت کے اظہار کے لیے۔ چنانچہ اسی آیت میں اس کا نتیجہ بھی دو ہم معنی فقروں میں ہے قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِيْنَ وہ گمراہ ہوئے اور انھوں نے سیدھا راستہ نہ پایا۔

س ۱۸: قُلْ لَا اَجِدُ فِيْمَا اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کہہ دے کہ جو وحی مجھ پر نازل ہوئی ہے اس میں کسی کھانے والے پر جو کھائے میں کوئی چیز حرام نہیں پاتا ہوں بجز اس کے کہ مردار ہو یا بہایا ہوا خون یا سور کا گوشت یا گناہ کی چیز جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن نے ربا، مال یتیم وغیرہ کئی چیزوں کا کھانا حرام کیا ہے۔

ج: یہاں جانوروں کی حلت اور حرمت کا ذکر ہے نہ کہ مطلق مال کا۔ یہ سورۂ انعام ہے جس میں چوپایوں کا ذکر سلسلہ وار چلا آرہا ہے۔ یہی چاروں محرمات سورہ مائدہ کے پہلے رکوع میں تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔

س ۱۸: قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا۔ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ تمھارے پاس کوئی علم ہو تو اس کو ہمارے سامنے نکالو۔ تم تو بس گمان کے پیچھے چلتے ہو اور صرف اندازہ لگاتے ہو۔ کیا ظن سے علم حاصل نہیں ہوتا؟

ج: ظن کی تشریح تو اس آیت میں کردی گئی ہے کہ جس چیز کا اندازہ لگایا گیا کہ غالباً صحیح ہوگی وہ ظن ہے اس کے مقابل میں علم کا لفظ لایا گیا ہے جس سے ظاہر ہوگیا کہ وہ ظن سے مختلف ہے۔ اور اس کا اطلاق اس چیز پر ہوگا جس کا یقین ہو۔ چنانچہ دوسری جگہ

Marfat.com

ظن کا لفظ یقین کے مقابل میں لایا گیا ہے۔ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ (جاثیہ ۴) ہم صرف گمان رکھتے ہیں اور ہم کو یقین حاصل نہیں ہے۔ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ علم اور یقین دونوں کی حقیقت ایک ہے۔ اسی کا نام علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین ہے۔ سورہ التکاثر میں ہے لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ۔ لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَیْنَ الْیَقِیْنِ کاش تم کو یقینی علم ہوتا کہ تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے پھر تم اس کو ضرور دیکھو گے یقین کی آنکھ سے۔ سورہ حاقہ کے آخر میں قرآن کے متعلق فرمایا وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْیَقِیْنِ وہ حق الیقین ہے بے شک کہیں کہیں قرآن میں ظن کا لفظ یقین کے لیے بولا گیا ہے۔ مثلاً اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ (بقرہ ۵) جو یقین رکھتے ہیں کہ ان کو اپنے رب سے ملنا ہے۔ لیکن یہ ظن کا حقیقی معنی نہیں ہے[1] کیونکہ قرآن میں جا بجا ظن کی پیروی ممنوع قرار دی گئی ہے اور دین میں جس میں یقین کی ضرورت ہے وہ کارآمد نہیں۔ سورہ یونس ۴ میں ہے۔ وَمَا یَتَّبِعُ اَکْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا ان میں سے اکثر پیروی کرتے ہیں ظن کی اور ظن حق کی جگہ کچھ کام نہیں دیتا۔ یہی بات سورہ النجم میں بھی کہی گئی ہے۔ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا ان کو کوئی یقین نہیں ہے صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں اور ظن حق کی جگہ کچھ کام نہیں دیتا۔ پھر ظن کو قرآن نے گمراہی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ وَاِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ (انعام ۱۴) روئے زمین کے اکثر لوگ ایسے ہیں کہ تو اگر ان کی اطاعت رے گا تو وہ تجھ کو اللہ کی راہ سے گمراہ کر دیں

---

[1] ظننت زعمت اور حسبت کی طرح افعال الیقین وشک میں سے ہے مگر علم یا یقین کے مقابلہ میں جب یہ بولا جاتا ہے تو اس کے معنی صرف گمان کرنے کے ہوتے ہیں اور اندازہ لگانے کے جیسا کہ آیات قرآنی سے واضح کیا گیا ہے۔

Marfat.com

گے وہ صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں اور محض اندازے لگاتے ہیں۔

س۱۹: قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ کہہ دے کہ آؤ میں سنادوں جو کچھ تمھارے پروردگار نے تمھارے اوپر حرام کیا ہے اس کے بعد دس احکام ہیں جن میں پانچ حرام ہیں اور پانچ واجب۔

ج: آیت میں حرم کا لفظ جو آیا ہے اس کے معنی مقرر کرنے کے ہیں جیسا کہ سورہ انبیاء میں ہے وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنَاهَا اِنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ اور مقرر ہے اس بستی پر جس کو ہم نے ہلاک کر دیا کہ وہ واپس نہیں لوٹیں گے۔

س۱۹: وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا اور جب بات کہو تو انصاف کی۔ عدل کو قول کے ساتھ کیا خصوصیت ہے یہ تو عملی چیز ہے۔

ج: عمل میں بھی قرآن نے جا بجا عدل کا حکم دیا ہے یہاں قول کا لفظ اس لیے آیا کہ معاملہ شہادت کا ہے۔ کیا شہادت عمل نہیں ہے۔

سورۂ اعراف

س۱: لَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ تیرے دل میں اس کی طرف سے تنگی نہ ہو۔ نہی کی نسبت مخاطب کی طرف نہیں بلکہ تنگی کی طرف کی گئی ہے۔

ج: ایسا جملہ بلیغ ہوتا ہے مثلاً میں یہاں تجھ کو نہ دیکھوں۔ یعنی میرے سامنے سے ہٹ جا۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن کی رو سے تبلیغ کرنے میں تو اپنے دل میں تنگی نہ رکھ۔ حضرت نوحؑ نے فرمایا لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً (یونس ۸) تمھارا معاملہ تمھارے اوپر ڈھکا نہ رہے)

س۱: اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَاءَ اسی کی پیروی کرو جو اترا ہے تمھاری طرف۔ تمھارے رب کے یہاں سے اور اس کے سوا دوسرے آقاؤں کی پیروی نہ کرو۔ یہاں امر کے بعد نہی کیا خاص ضرورت تھی؟

ج: عام طور پر لوگ شخصیت پرستی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور کتاب اللہ کی پیروی کے

Marfat.com

ساتھ غیروں کی بھی پیروی کرنے لگتے ہیں۔ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ (سورہ یوسف ۱۲) ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان لا کر بھی مشرک رہتے ہیں۔ سورہ شوریٰ ۳ میں ہے اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ کیا ان کے اور شریک ہیں جنھوں نے ان کے لیے دین کی وہ شریعت بنائی ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے اس لیے کتاب اللہ کی پیروی کے امر کے ساتھ غیر اللہ کی پیروی سے نہی کی ضرورت تھی۔

قرآن میں جا بجا رسول اللہ ﷺ کو تاکید کی گئی کہ قرآن ہی کی پیروی کرو اِتَّبِعْ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (انعام ۱۳) اس کی پیروی کر جو تیرے رب کی طرف سے تجھے وحی کی گئی ہے۔ اس سورہ کے رکوع ۲۴ میں آنحضرت کی زبان سے اعلان کرایا گیا قُلْ اِنَّمَا اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ کہہ دے کہ میں تو بس اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے مجھ پر وحی آتی ہے اور وہ وحی یہ قرآن ہے وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ (انعام ۲) اور میرے اوپر یہ قرآن اترا ہے کہ اس کے ذریعہ سے تم کو آگاہ کروں قُلْ اِنَّمَا اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ (انبیاء ۴) کہہ دے کہ میں تم کو صرف وحی کے ذریعہ سے آگاہ کرتا ہوں اور یہی اللہ نے ہدایت فرمائی ہے فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ (ق ۳) آگاہ کر قرآن کے ذریعہ سے اس کو جو میرے حساب سے ڈرتا ہے۔

س: اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا ہم نے اس بستی کو ہلاک کیا پھر اس پر ہمارا عذاب آیا۔ ہلاکت کے بعد عذاب آیا یا عذاب کے بعد ہلاکت آئی۔

ج: ہلاک کرنے کا مفہوم یہاں ہے اس کا ارادہ جیسے اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ (مائدہ ۲) جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو وضو کرو۔ یعنی نماز کھڑے ہونے کا ارادہ کرو۔

س: وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

Marfat.com

فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلِیْس ہم نے تم کو پیدا کیا پھر تمہاری صورت گری کی پھر فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو۔ انھوں نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے۔ یہاں جمع مخاطب کی ضمیر سے ہم سب سے خطاب ہے حالانکہ ملائکہ کو سجدہ آدم کا حکم ہماری تخلیق سے پہلے دیا گیا تھا اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّی خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَ نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِی فَقَعُوْ لَہٗ سَاجِدِیْن (ص ۵) جب کہا تیرے رب نے فرشتوں سے میں بنانے والا ہوں ایک بشر مٹی سے۔ جب اس کو ٹھیک کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تم اس کے سجدہ میں گر جانا۔

ج: حضرت آدم اور ہم میں بشریت ایک ہی ہے۔ اس جمع مخاطب کی ضمیر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ملائکہ اور ابلیس یعنی خیر وشر کا تعلق مطلق بشریت کے ساتھ ہے یہ اکیلے حضرت آدم کا قصہ نہیں ہے۔

س۲: فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلِیْس فرشتوں نے سجدہ کردیا بجز ابلیس کے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس بھی ملائکہ میں سے تھا۔ اس لیے کہ اگر ان میں سے نہ ہوتا تو مستثنیٰ کیوں کیا جاتا۔

ج: حکم ابلیس کو بھی دیا گیا تھا اس آیت سے آگے ہے قَالَ یَا اِبْلِیْسُ مَا مَنَعَکَ اَنْ لَا تَسْجُدَ اِذَا اَمَرْتُکَ اللہ نے فرمایا اے ابلیس کیا مانع ہوا جب میں نے حکم دیا تو نے سجدہ نہ کیا۔ لہٰذا اس استثنا سے صرف یہ ثابت ہوا کہ جن کو سجدہ کا حکم دیا گیا تھا ان میں سے ابلیس نے سجدہ نہیں کیا۔ قرآن میں تصریح ہے کہ ابلیس جن ہے کَانَ مِنَ الْجِنّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّی (کہف ۷) ابلیس جن ہے اور وہ اپنے رب کے حکم سے سرتابی کر بیٹھا ہے۔ علاوہ بریں ابلیس کی ذریت ہے۔ اَفَتَتَّخِذُوْنَہٗ وَ ذُرِّیَتَہٗ اَوْلِیَاءَ مِنْ دُوْنِی (کہف ۷) کیا تم ابلیس اور اس کی ذریت کو میرے سوا اپنا مولا بناؤ گے؟ پھر ابلیس کے قبیلہ ہے اِنَّہٗ یَرَاکُمْ ھُوَ وَ قَبِیْلُہٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَہُمْ (اعراف ۳) ابلیس اور اس کا قبیلہ تم کو دیکھتا ہے جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھتے۔ کیا فرشتے ذریت اور قبیلہ رکھتے

Marfat.com

ہیں؟

س: ابلیس کو قیامت تک کی مہلت کیوں دی گئی جب کہ اس نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ میں تیرے بندوں کو گمراہ کروں گا۔

ج: دنیا انسانوں کی آزمائش کے لیے ہے۔ خَلَقَ الْمَوتَ وَ الْحَیَاتَ لِیَبْلُوَکُمْ (ملک ۱) اللہ نے موت اور حیات تمھاری آزمائش کے لیے پیدا کی ہے۔ اس لیے یہاں زخارف دنیا اور لذات نفس کے علاوہ ایک بہکانے والے ابلیس کا وجود بھی ضروری تھا۔ اللہ نے روز روز نیا ابلیس پیدا کرنے کے بجائے ایک ہی ابلیس کو قیامت تک کی زندگی دے دی۔

س ۲: فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّیْطَانُ لِیُبْدِیَ لَهُمَا مَاوُرِیَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْآتِهِمَا پھر آدم اور حوا کو شیطان نے بہکایا تاکہ ان کے اوپر ان کے ڈھکے ہوئے ستر کو کھول دے۔ شیطان کی غرض فریب دینے سے ان کے ڈھکے ہوئے ستر کو کھولنا نہ تھا بلکہ ان کو جنت سے نکلوانا تھا۔

ج: لِیُبْدِیَ پر لام غایت کی نہیں بلکہ عافیت کا ہے۔ یعنی نتیجہ یہ ہوا جیسے فرعون کے قصے میں ہے فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِیَکُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا (قصص ۱) موسیٰ کو فرعون کے گھر والوں نے اٹھالیا تاکہ وہ ان کا دشمن اور ان کے لیے دکھ بنے۔

س ۳: یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا ابلیس نے اتروائے ان کے لباس۔ یہ کونسا لباس تھا جس کے اترنے سے پہلے ان کو اپنے ستر کا پتہ نہ تھا۔

ج: جہاں تک سمجھ میں آسکا ہے یہ معصومیت کا لباس تھا۔ شجر ممنوعہ کا پھل کھاتے ہی ان کو اپنے ستر کا احساس ہوا اور لگے جنت کے پتے توڑ توڑ کر چپکانے۔ اسی مخصوص احساس کے باعث انسان کو لباس کی ضرورت پڑی جس کا بندوبست اللہ نے دنیا میں اور فرمایا ذَالِکَ مِنْ آیَاتِ اللّٰهِ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کیونکہ سارے جانداروں میں سے لباس صرف انسان کو دیا گیا ہے۔

Marfat.com

س۴: اِنَّهٗ يَرٰكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ابلیس اوراس کاقبیلہ تم کو دیکھتا ہے جہاں سے کہ تم ان کو نہیں دیکھتے۔ابلیس کا قبیلہ جن کی قوم ہے ان کے دیکھنے کے تو بہت سے لوگ مدعی ہیں۔

ج: یہ نص صریح ہے کہ جن انسانوں کو نظر نہیں آتے جو لوگ ان کے دیکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہوتا۔

س۵: لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ منکر جنت میں داخل نہ ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں سے گزر جائے کیا قیامت میں اونٹ سوئی کے ناکہ میں سے گزر جائیں گے۔

ج: یہاں تعلیق المحال بالمحال ہے۔یعنی جس طرح سوئی کے ناکہ میں سے اونٹ کا داخل ہونا ممکن نہیں اسی طرح ان منکروں کا جنت میں داخل ہونا ممکن نہیں۔

س۵: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰنَا لِهٰذَا اس اللہ کی حمد جس نے ہم کو اس کی ہدایت کی۔جنتی جنت میں پہنچ جانے کے بعد اللہ کی ہدایت پر اس کی حمد کریں گے۔حالانکہ کرنا چاہیے جنت ملنے پر۔

ج: یہاں هَدٰنَا لِهٰذَا کا یہی مطلب ہے کہ ہم کو جنت میں پہنچا دیا۔اس کو سمجھنے کے لیے ہدایت کے مفہوم کی کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے۔یہ لفظ قرآن میں تین معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔(۱) سیدھے راستہ کی طرف بلانا۔(۲) سیدھے راستہ سے لگا دینا۔(۳) منزل کی طرف پہنچا دینا۔نبی اور رسول پہلے معنی میں ہادی ہوتے ہیں۔وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (شوریٰ ۵) بے شک تو سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔یہی بات دوسری جگہ ان لفظوں میں کہی گئی ہے۔وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (مومنون ۴) بیشک تو ان کو سیدھے راستہ کی طرف بلاتا ہے یعنی انبیا کی ہدایت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگوں کو سیدھے راستے کی طرف دعوت دیتے ہیں۔اس معنی میں ہدایت کا صلہ بالعموم الیٰ کے ساتھ آتا ہے۔ہدایت کا دوسرا مفہوم یعنی راستہ سے لگا دینا انبیا کی قدرت میں

Marfat.com

نہیں ہے۔ اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (قصص ۶) تو سیدھی راہ سے نہیں لگا تا جس کو چاہے۔ لیکن اللہ ہی جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ سے لگا تا ہے۔ یہاں ہدایت کا لفظ بلا کسی صلہ کے آیا ہے۔

تیسرے معنی میں آیت ذیل میں استعمال ہوا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحَاتِ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهَارُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ (یونس ۱) جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے اللہ ان کو ایمان کی بدولت پہنچا دے گا نعمت کے باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ اس معنی میں صلہ فی آیا ہے۔ آیت بالا ھدانا لھٰذا میں صلہ ل کے ساتھ ہے اس سے دونوں معنی نکل سکتے ہیں یعنی ہم کو سیدھے راستہ سے لگا دیا کہ ہم جنت میں پہنچ گئے یا یہ کہ ہم کو جنت میں پہنچا دیا اور چونکہ اہل جنت اس میں پہنچ جانے کے بعد حمد کر رہے ہیں۔ اس لیے قرین قیاس یہی آخری معنی ہے۔

س ۵: وَنُوْدُوْا اَنْ تِلْکُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اہل جنت سے پکار کر کہہ دیا جائے گا کہ جس جنت کے تم وارث ہوئے اپنے اعمال کی بدولت۔ اعمال کی بدولت یا رحمت الٰہی کے بدولت؟ پھر وراثت کا لفظ کس لیے فرمایا گیا بخشش اور وراثت میں تو فرق ہے۔

ج: جنت ابوالبشر کا پہلا گھر ہے۔ عصیان کی وجہ سے وہاں سے نکالے گئے لیکن بتایا گیا کہ ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ سے تم پھر اس میں آسکتے ہو۔ اب ان کی اولاد میں سے جو لوگ اس میں پہنچیں گے وہ اپنے باپ ہی کے گھر میں تو پہنچیں گے۔ اسی کا نام وراثت ہے اور پہنچیں گے عمل صالح کی بدولت جس کا اعلان کرایا جائے گا۔ باقی رہی رحمت تو اس کے اعلان کی کیا ضرورت ہے وہ تو شروع سے آخر تک چھائی ہوئی ہے۔ آدم کو جنت سے نکلنے کے بعد ہدایت دینا اس کی یاد دہانی کے لیے دنیا میں سلسلہ وار رسولوں کو بھیجنا پھر عمل صالح میں یہ تاثیر رکھنا کہ ان کے ذریعہ سے انسان

Marfat.com

اپنی کھوئی ہوئی وراثت پا جائے یہ سب رحمت ہی کے تو کرشمے ہیں۔

س۵: وَعَلَی الْاَعْرَافِ رِجَالٌ اور اعراف میں کچھ لوگ ہوں گے کیا آخرت میں جنت۔ دوزخ اور اعراف تین مقامات ہیں؟

ج: اعراف عارضی ہے اصل مقام دو ہی ہیں فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَ فَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ (شوریٰ ۱) ایک فرقہ جنت میں اور ایک فرقہ دوزخ میں۔ اس آیت کے سوا اور کہیں قرآن میں اعراف کا ذکر نہیں ہے۔ یہاں بھی ان کی بابت ہے لَمْ یَدْخُلُوْهَا وَهُمْ یَطْمَعُوْنَ وہ جنت میں داخل نہیں ہوئے مگر امید رکھتے ہیں جو غالباً پوری کر دی جائے گی کیونکہ پھر ان کا کوئی ذکر نہیں آیا۔

س۶: اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ سن رکھو خلق اور امر اللہ ہی کے لیے ہیں خلق یعنی ایجاد بے شک اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے لیکن امر والیان امر کے ہاتھ میں بھی ہے۔

ج: یہاں خلق سے عالم مادی کی تخلیق مراد ہے اور امر سے اس کا انتظام اور تدبیر خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ (یونس ۱) پیدا کیا آسمان اور زمین چھ دنوں میں پھر وہ عرش پر براجا امر کی تدبیر کرتے ہوئے۔ سورہ حم سجدہ میں ہے کہ ہم دو دن میں زمین پیدا کی پھر دو دن میں اس میں پہاڑ اور روزی کے ذخیرے رکھے۔ اس کے بعد دو دن میں ساتوں آسمان بنائے اور ہر آسمان میں اس کے احکام اتارے اور زمین یعنی پستی کے متعلق خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ (طلاق ۲) اللہ نے پیدا کیں سات بلندیاں اور اسی قدر پستیاں اترتا امر ان کے درمیان سورہ سجدہ میں ہے۔ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ اللہ امر کی تدبیر کرتا ہے۔ آسمان سے زمین تک۔ اس طرح عالم مادی تمام تر عالم خلق ہے اور اس کے انتظامی اور تدبیری احکام عالم امر دو عالم الگ الگ ہیں اور دونوں حادث اور محدث ہیں بلکہ عالم امر عالم خلق کے بعد ہے۔ کیونکہ بلندی اور پستی پیدا کرنے کے بعد الرحمٰن عرش پر مستوی ہوا ہے اور اوامر تدبیری نازل کیے

Marfat.com

ہیں۔ اسی تدبیری امر کے ذیل میں امر تشریعی ہے۔ بنی اسرائیل کے متعلق فرمایا وَآتَیْنَاهُمْ بَیِّنَاتٍ مِّنَ الْأَمْرِ (جاثیہ۲)، ہم نے ان کو امر (شریعت) کے متعلق کھلی دلیلیں دی پھر خاتم النبیین سے اسی رکوع میں خطاب ہے ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ پھر ہم نے امر سے تجھ کو شریعت پر لگا دیا اور قرآن کے بارے میں سورہ طلاق میں توضیح کر دی ذَالِکَ اَمْرُ اللّٰہِ اَنْزَلَهٗ اِلَیْکُمْ یہ امر الٰہی ہے جو اس نے تمھاری طرف اتارا[1]

س ۱۰: یٰا قَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ رِسَالَتَهٖ رَبِّی وَ نَصَحْتُ لَکُمْ وَ لٰکِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النَّاصِحِیْنَ اے میری قوم میں نے تم کو اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور تمھاری بھلائی چاہی لیکن تم اپنے بھلا چاہنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ حضرت صالح نے ہلاک شدہ قوم کو جن میں سننے کی صلاحیت ہی نہ تھی کیوں مخاطب فرمایا۔

ج: ہلاک ہونے والے ان کے ہم قوم تھے اور انسان کی فطرت ہے کہ اپنی قوم کی ہلاکت پر خواہ کسی جرم میں ہوئی ہو اس کے دل کو غم ہوتا ہے۔ حضرت صالح کا یہ قول اپنے اسی غم کے دفعیہ کے لیے تھا۔ یہ بات اس سے اگلے رکوع میں حضرت شعیب کے قول سے زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ انھوں نے فرمایا یٰا قَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ

---

[1] خلق قرآن کی جو بحث خلیفہ مامون عباسی کے عہد میں چھڑی تھی اور جس سے اس قدر شورش پیدا ہوئی تھی کہ عباسی خلافت متزلزل ہوگئی تھی وہ اس بنیاد پر تھی کہ محدثین قرآن کو غیر مخلوق کہتے تھے اور معتزلہ سمجھتے تھے کہ غیر مخلوق کہنے سے وہ قدیم ہو جاتا ہے جس سے قدماء کا تعدد لازم آتا ہے اس وجہ سے وہ اس عقیدہ کو جو ان کے خیال میں توحید کے خلاف تھا مٹانے کے لیے نہایت سختی سے کام لیتے تھے۔ بہت سے محدثین کو انھوں نے قید و بند میں ڈالا اور بہتوں کو قتل کیا۔ افسوس یہ ہے کہ اس وقت فریقین میں سے کسی نے قرآن میں اچھی طرح غور نہیں کیا ورنہ معاملہ صاف ہو جاتا یعنی قرآن امر تشریعی ہے وہ عالم امر سے ہے اس لیے مخلوق نہیں کہا جا سکتا اور عالم امر چونکہ حادث ہے اس لیے قرآن مخلوق کہہ دنے سے قدیم نہیں ہو جاتا۔ اس بحث پر ہم نے ایک جداگانہ مستقل مضمون لکھا ہے جو ہمارے مضامین کے مجموعہ میں ہے۔ نیز تاریخ الامت کے حصہ ہشتم میں بھی ہم نے اس کو بسط کے ساتھ لکھ دیا ہے۔

Marfat.com

رِسَالَاتِ رَبِّی وَ نَصَحْتُ لَکُمْ فَکَیْفَ آسیٰ عَلٰی قَومٍ کَافِرِیْن اے میری قوم میں نے اپنے رب کے پیغامات تم کو پہنچا دیے اور تمھاری بھلائی چاہی سو میں کیا غم کروں نہ ماننے والوں پر۔ دراصل یہ ایک اسلوب بیان ہے ۔اپنے دل کو تسلی دینے کے لیے۔ ہلاک ہونے والوں کو مخاطب کرنا مقصود نہیں ہے۔

س ۱۳: فَاَلْقیٰ عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مّبِیْن حضرت موسیٰ نے اپنے عصا ڈال دیا وہ ایک دم اژدہا ہو گیا چشم دید۔ دوسری جگہ فرمایا تَهْتَزّ کَاَنّهَا جَانٌّ (قصص ۴) پھنپھناتا ہوا جیسے سانپ اژدھا بھاری اور سست ہوتا ہے اور سانپ ہلکا اور چست۔ کیا ان میں تعارض نہیں ہے۔

ج: حضرت موسیٰ کا عصا چرواہے کا بڑا لٹھ تھا جس سے وہ بڑے بڑے اونچے درختوں سے ٹہنیاں اور پتیاں اپنے جانوروں کے لیے گراتے تھے اس لیے جسم کے لحاظ سے وہ اژدہا ہی تھی مگر تیزی اس میں چھوٹے سانپ کی تھی۔ یہ بات حرف تشبیہ کانھا سے ظاہر ہو جاتی ہے۔

س ۱۴: قَالَ لِلْمَلأ حَوْلَهٗ اِنّ هٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِیْمٌ فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ یہ بڑا واقف کار جادوگر ہے۔ اور دوسری جگہ ہے قَالَ لِلْمَلأ حَوْلَهٗ اِنّ هٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِیْمٌ (شعراء ۳) فرعون اپنے اردگرد کے سرداروں سے کہا کہ یہ بڑا واقف کار جادوگر ہے ایک ہی بات کی حکایت ہے مگر ایک جگہ اس کی نسبت سرداروں کی طرف ہے اور ایک جگہ خود فرعون کی طرف۔

ج: فرعون نے کہا اور اسی بات کو سرداروں نے بھی کہا۔ اس لیے دونوں کی طرف منسوب کرنا صحیح ہے۔

س ۱۵: قَالُوْا اُوْذِیْنَا مِنْ قَبْلُ اَنْ تَأتِیْنَا وَ مِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا بنی اسرائیل نے کہا ہم ستائے گئے تیرے آنے سے پہلے اور تیرے آنے کے بعد بھی۔ دونوں مرتبہ اپنی قومی مصیبت یعنی قتل ابناء کا انھوں نے حضرت موسیٰ کو ذمہ دار قرار دیا۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ بات جو کہی جاتی ہے کہ فرعون نے خواب دیکھا تھا کہ اس کی

Marfat.com

سلطنت بنی اسرائیل کے ایک فرزند کے ہاتھ سے مٹ جائے گی اور اسی ڈر سے ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا۔ غالباً صحیح ہے۔ پھر دوبارہ جب حضرت موسیٰ جادوگروں پر غالب آ گئے اور بنی اسرائیل کی عظمت قائم ہو گئی اس نے ان کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کیا۔

ج: قرآن میں اس خواب کا ذکر نہیں ہے پہلی بار جو فرعون نے بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ذبح کرنا شروع کیا تھا اس کی نسبت ہے یَسۡتَضۡعِفُ طَآئِفَةً مِّنۡهُمۡ یُذَبِّحُ اَبۡنَآءَ هُمۡ وَ یَسۡتَحۡیٖ نِسَآءَ هُمۡ (قصص ۱) فرعون ملک کی ایک جماعت کو کمزور کرنا چاہتا تھا ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا اور بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کی کثرت تعداد کو اپنی سلطنت کے لیے خطرہ سمجھتا تھا۔ اس لیے ان کے بیٹوں کو ذبح کر کے ان کی قوم کو کمزور بنانا چاہتا تھا نہ کہ کسی خواب کی بنا پر۔

س ۱۷: وَوٰعَدۡنَا مُوۡسٰی ثَلٰثِیۡنَ لَیۡلَةً وَّ اَتۡمَمۡنٰهَا بِعَشۡرٍ فَتَمَّ مِیۡقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرۡبَعِیۡنَ لَیۡلَةً ہم نے وعدہ ٹھہرایا موسیٰ سے تیس راتوں کا اور اس کو پورا کیا دس ملا کر۔ تب پوری ہوئی اللہ کی مقررہ مدت چالیس رات۔ پہلے ہی کیوں نہ چالیس راتیں میقات کے لیے معین کی گئیں؟

ج: وعدہ تیس ہی راتوں کا تھا۔ اسی درمیان میں بنی اسرائیل میں گوسالہ کا فتنہ برپا ہو گیا جس کے انسداد کے لیے حضرت موسیٰ کو چند دنوں کے لیے واپس آنا پڑا۔ اس لیے دس راتیں اور بڑھا گئیں اور میقات کی مدت چالیس رات ہو گئی۔ چنانچہ دوسری جگہ ہے۔ وَاِذۡ وٰعَدۡنَا مُوۡسٰۤی اَرۡبَعِیۡنَ لَیۡلَةً (بقر ۶) اور جب ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے چالیس رات کا۔

س ۱۸: اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡكَ مجھے نظر آ کہ میں تجھے دیکھوں۔ حضرت موسیٰ اولوالعزم پیغمبر تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ آنکھوں سے اللہ کو دیکھنا ممکن نہیں۔ پھر ایسی ناممکن بات کا سوال کیوں کر بیٹھے؟

Marfat.com

ج: یہ دید کا تقاضا عقل نہیں بلکہ عشق کی زبان سے تھا جو ممکن اور ناممکن میں فرق نہیں جانتا۔ اس سے موسیٰ کی عزت خالق اور مخلوق دونوں نگاہ میں بڑھ گئی۔ چنانچہ خالق نے تجلی منظور فرمائی اور مخلوق میں سے اہل دل جب اس ارنی اور لن ترانی کا تصور کرتے ہیں تو وجد میں آجاتے ہیں۔

س: اللہ نے پہلے موکد صیغہ لن ترانی فرمایا کہ تو ہرگز نہیں دیکھ سکے گا۔ پھر اس کے بعد تجلی کا وعدہ بھی کیا۔

ج: تجلی مشروط تھی کہ پہاڑ اپنی جگہ پر برقرار رہ جائے گا تو تم دیکھ سکو گے۔ لیکن نہ پہاڑ قائم رہ سکا نہ وہ دیکھ سکے۔ لیکن اس تجلی سے ان کی قلب ماہیت ہوگئی۔ چنانچہ جب ہوش میں آئے تو پکار اٹھے سُبۡحَانَكَ تُبۡتُ إِلَيۡكَ وَ أَنَا أَوَّلُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ تو پاک ہے میں تیرے آگے توبہ کرتا ہوں اور پہلا مومن ہوں جس کے بعد اللہ نے ان کو رسالت دی اور فرمایا إِنِّي اصۡطَفَيۡتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِي وَ بِكَلَامِي میں نے تجھ کو لوگوں میں سے چن لیا اپنے پیغامات اور اپنے کلام کے لیے۔

س ١٨: وَأۡمُرۡ قَوۡمَكَ يَأۡخُذُوا بِأَحۡسَنِهَا اے موسیٰ اپنی قوم کو حکم دے کہ لیں اس کی بہتر باتیں۔ کیا آسمانی کتاب کی تعلیمات میں انتخاب ممکن ہے؟

ج: بِأَحۡسَنِهَا سے مراد بہتر باتیں نہیں بلکہ بہترین طریقے ہیں۔ یعنی اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے صحیح عقل کی روشنی سے کام لیں۔

س ١٩: يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيۡهِمُ الۡخَبَائِثَ وہ نبی امی ان کے لیے پاک چیزیں حلال کرے گا اور ناپاک چیزیں حرام۔ قرآن کی متعدد آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو اشیاء کی تحلیل اور تحریم کا حق نہیں ہے۔ خود نبی کریم ﷺ نے ایک بار کوئی شے اپنے اوپر حرام کر لی تھی جس پر عتاب نازل ہوا يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (تحریم ١) جب وہ خود اپنے نفس پر کوئی چیز حلال یا حرام کرنے کا حق نہیں رکھتے تو امت پر کیسے کر سکتے ہیں۔ پھر یہاں

Marfat.com

تحلیل وتحریم نبی کی طرف کیوں منسوب کی گئی؟

ج: یہاں طیبات کی تحلیل اور خبائث کی تحریم جو نبی کی طرف منسوب کی گئی ہے اس سے مراد ہے باذن الٰہی۔ چنانچہ دوسری جگہ اللہ نے نبی کو حکم دیا ہے۔ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ (مائدہ۱) کہہ دے کہ تمھارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئیں۔

س۲۰: قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ اِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعاً کہہ دے کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف رسول ہوں یہاں یہ اعلان کس خاص وجہ سے کرایا گیا؟

ج: حضرت موسیٰ نے میقات پر اپنی قوم کے لیے رحمت الٰہی کی دعا کی تھی۔ اللہ نے فرمایا تھا کہ میں اپنی رحمت سے ان کو نوازدوں گا جو نبی امی کی پیروی اوران کی رفاقت اور امداد کریں گے۔ اس لیے یہاں قرآن نے آنحضرت ﷺ کی زبان سے اعلان کرایا کہ خاتم النبیین کی رسالت عام ہے اور یہ کسی ایک قوم ایک ملک یا ایک زمانہ کے لیے نبی نہیں ہیں بلکہ ہر قوم ہر ملک اور ہر زمانہ کے لیے ہیں۔ وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيْراً وَّ نَذِيْراً (سبا۳) تجھ کو ہم نے سارے انسانوں کے لیے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے اسی لیے قرآن میں بنی اسرائیل سے بار بار رسول اور قرآن پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا گیا یہاں تک کہ کہا گیا يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَطْمِسَ وُجُوهاً فَنَرُدَّهَا عَلٰى اَدْبَارِهَا (نساء۷) اے اہل کتاب ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے اتارا ہے اور جو تصدیق کرتا ہے اس کتاب کی جو تمھارے پاس ہے قبل اس کے کہ ہم تمھارے چہروں کو مسخ کرکے گدی کی طرف پھیر دیں۔

س۲۴: جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا ان دونوں نے اللہ کی دی ہوئی چیز میں اس کے شریک ٹھہرائے۔ یہاں ذکر ہے آدم اور حوا کا اور نبی تو شرک سے پاک ہوتا ہے۔

ج: پہلے کہا جا چکا ہے کہ یہاں فرد مراد نہیں ہے بلکہ جنس ہے۔ آیت کے شروع میں خَلَقَكُمْ اور آخر میں يُشْرِكُونَ دونوں میں ضمیریں جمع کی ہیں جن سے اس کا

Marfat.com

اشارہ ملتا ہے یعنی یہ خود آدم وحوا کا قصہ نہیں ہے بلکہ بنی آدم میں سے لوگ ایسا کرتے ہیں۔

سورہ انفال

س ۱: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ ایمان والے وہی لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر ہو ان کے دل ڈر جائیں۔ دوسری جگہ ہے تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ (رعد ۴) مومنوں کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں۔ ایک جگہ خوف ایک جگہ اطمینان اس میں تعارض کا وہم ہوتا ہے۔

ج: خوف اور اطمینان سبب اور نتیجہ ہیں جو ایک دوسرے پر مرتب ہیں تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (زمر ۳) جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ قرآن سن کر ان کی کھالوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر نرم پڑ جاتی ہیں ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کی یاد سے ذکر سے خشیت الٰہی اور اس سے سکون قلب حاصل ہوتا ہے۔

س ۲: فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى تم نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا۔ اور اے نبی تو نے خاک نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی حالانکہ قتل مسلمانوں نے کیا تھا اور خاک نبی نے پھینکی تھی۔

ج: کفار کے مقتول اور گرفتار ہونے کا بڑا سبب چونکہ ملائکہ تھے جن کو اللہ نے مدد کے لیے نازل کیا تھا اس لیے ان امور کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔

س ۳: اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے منہ نہ موڑو۔ اللہ و رسول کے لیے عنہ کی ضمیر تثنیہ چاہیے۔

ج: ''اللہ و رسول'' سے مراد یہاں اور نیز ان تمام آیتوں میں جن میں ان کی اطاعت کا

Marfat.com

حکم دیا گیا ہے۔ایک ہی چیز یعنی مرکز ملت ہے اس کو سمجھنے کے لیے ایک مختصر توضیح کرنا ضروری ہے۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے دو ممتاز منصب تھے۔

(۱) منصب پیغمبری یعنی پیغام الٰہی کو انسانوں کے پاس بے کم و کاست پہنچا دینا۔اس کے امتیازات یہ ہیں۔

(۱) اس منصب کی رو سے آپ کی تصدیق کرنا اور آپ کے اوپر ایمان لانا فرض کیا گیا اور یہ امت ہمیشہ کے لیے آپ ہی کی امت ہوئی۔

(۲) یہ پیغمبری آپ کی ذات پر ختم کر دی گئی اور اس کی تکمیل کے لیے آپ بھیجے ہی گئے۔

(۲) منصب امامت۔یعنی احکام الٰہی کے مطابق لوگوں کو چلانا۔ان کے باہمی تنازعات اور قضایا کے فیصلے کرنا۔اجتماعی امور مثلاً جنگ و صلح وغیرہ میں ان کی قیادت و نمائندگی وغیرہ۔اس کے امتیازات یہ ہیں۔

(۱) یہ امامت کبریٰ جو آپ نے بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی و اصلاح و فلاح کے لیے قائم کی آپ کی ذات اور زندگی تک محدود نہیں ہے بلکہ قیامت تک مستمر ہے جو آپ کے زندہ جانشینوں کے ذریعہ سے قائم رہنی چاہیے۔

(۲) آپ کے بعد آپ کے خلفاء یعنی زندہ جانشینوں کے وہی اختیارات ہوں گے جو اس لحاظ سے آپ کے تھے اور ان کی اطاعت بعینہ اللہ و رسول کی اطاعت ہوگی۔[2]

(۳) اس لحاظ سے آپ مامور تھے کہ لوگوں سے مشورہ لیں۔

قرآن میں جو احکام رسول کی اطاعت کے ہیں، وہ محمد ﷺ کی ذات اور زندگی

---

[1] اس عنوان پر مفصل بحث ہم نے اپنی کتاب تاریخ الامت حصہ ہشتم کے مقدمہ میں لکھ دیا ہے۔

[2] اطاعت کے معنی ہیں کسی زندہ کی فرمانبرداری کرنا۔مردہ کی فرمانبرداری کے لیے یہ لفظ ساری عربی زبان میں کہیں مستعمل نہیں ہوا ہے)

Marfat.com

تک محدود نہیں ہیں بلکہ منصب امامت کے لیے ہیں جس میں آپ کے بعد آنے والے جملہ خلفاء داخل ہیں اوران کی اطاعت اللہ ورسول کی اطاعت ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن نے مرکز ملت کے لیے یہی لفظ یعنی ''اللہ ورسول'' استعمال کیا گیا ہے۔

س ۴: مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ اللہ ایسا نہیں کہ مشرکوں پر عذاب کرے جبکہ تو ان میں موجود ہے۔ بدر میں رسول اللہ موجود تھے پھر اللہ نے مشرکوں پر کیوں عذاب کیا۔

ج: مراد مکہ ہے نہ کہ بدر کا میدان جنگ جبکہ مسجد حرام سے مسلمانوں کو روکنے کا جرم مشرکوں پر عائد ہو چکا تھا۔ جیسا کہ آگے کی آیت میں ہے وَمَا لَهُمْ اَنْ لَا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَام اور کیوں نہ اللہ ان پر عذاب کرے وہ تو مسجد حرام سے روکتے ہیں۔

س ۴: وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَاءً وَّ تَصْدِيَه اور ان کافروں کی نماز کعبہ کے پاس کچھ نہ تھی سوائے سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے۔ ان چیزوں پر نماز کا اطلاق کیوں کیا گیا؟

ج: بول چال کے مطابق اس کا مطلب یہ ہوا کہ بجائے نماز کے وہ یہی کچھ کرتے تھے۔

س ۵: وَيُقَلِّلُكُمْ فِىْ اَعْيُنِهِمْ اور تم کو تھوڑا دکھایا اللہ نے ان کی آنکھوں میں۔ کافروں کو مسلمانوں کی نگاہوں میں تھوڑا دکھانے کی تو مصلحت سمجھ میں آتی ہے کہ وہ مرعوب نہ ہو جائیں مگر مسلمانوں کو کافرون کی نگاہوں میں تھوڑا دکھانا کس غرض سے تھا وہ تو یونہی تھوڑے تھے؟

ج: تاکہ وہ مسلمانوں کو تھوڑا دیکھ کر بے حد پرواہ ہو جائیں اور لڑائی کی زیادہ تیاری نہ کریں۔

س ۶: اِنِّىْ اَخَافُ اللّٰهَ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ شیطان نے قریش کو گھمنڈ میں پھنسا کر مسلمانوں سے لاکر بھڑادیا۔ اب ان سے الگ ہو کر کہتا ہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ یہ کس قسم کا خوف ہے۔ کیا اس کو فرشتے نظر آ گئے تھے۔

Marfat.com

ج: اس نے اس خوف کی وجہ تو یہی بیان کی کہ میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جس کو تم نہیں دیکھتے۔ مگر اس کو سچا سمجھنے کی ضرورت کیا ہے۔ خوف کے اس دعوے میں بھی وہ جھوٹا ہوسکتا ہے۔ اس کا تو قرآن میں یہی شیوہ بیان کیا گیا ہے۔ كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ (حشر ۲) جیسے شیطان کہ وہ انسان سے کہتا ہے کہ کفر کر۔ جب انسان کفر کر لیتا ہے تو شیطان کہتا ہے میں تجھ سے بری ہوں۔ میں اللہ سے جو سارے جہان کا پروردگار ہے ڈرتا ہوں۔

س ۹: إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ۔ اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں گے تو دوسو پر غالب آجائیں گے۔ پھر فرمایا کہ اب تم میں کمزوری آگئی ہے لہٰذا تم میں سے سو صبر کرنے والے دوسو پر غالب آجائیں گے۔ ان دونوں آیتوں میں تضاد سمجھ کر بعضوں نے پہلی کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ کہہ دیا ہے۔

ج: قرآن کی موجودہ آیات میں سے ایک آیت بھی منسوخ نہیں ہے جیسا کہ سورہ بقر میں لکھا جاچکا اور ان دونوں آیتوں میں تو باہم تضاد بھی نہیں ہے کیونکہ دونوں کے زمانے مختلف ہیں۔ اس لیے دونوں نے احکام بدستور باقی ہیں جیسا کہ موقع ہوگا اسی کے لحاظ سے عمل ہوگا اگر مسلمانوں کی تعداد کم ہے تو سو کے مقابلہ کے لیے دس جائیں گے اور یہ خودکشی نہ ہوگی اور زیادہ ہوں گے تو پچاس بھیجے جائیں گے اور ثابت قدم رہیں گے تو حسب وعدۂ الٰہی فتح یاب ہوں گے۔

سورہ توبہ

س ۲: قَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ کفر کے سرغنوں سے لڑو۔ کیا عوام سے نہیں؟

ج: ائمہ سے مراد یہاں وہ سردار ہیں جنھوں نے اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو اپنا شیوہ بنایا تھا اور اپنے عہد کو توڑ ڈالا تھا ان کے ساتھ لڑنے کا مطلب یہ ہے کہ ان

Marfat.com

کے حامیوں سے بھی لڑو۔

س ۸: یُؤمِنُ بِاللّٰهِ وَیُؤمِنُ لِلْمُؤمِنِیْن رسول اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور مومنوں کی تصدیق کرتا ہے۔ یومن کا ایک جگہ صلہ ب ہے اور دوسری جگہ لام۔ یہ فرق کس فائدہ کے لیے ہے؟

ج: عام طور پر قرآن میں آمن کا صلہ جہاں ب ہے وہاں ایمان لانا اور جہاں ل ہے وہاں تصدیق کرنا مراد ہے لیکن کہیں کہیں دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے مثلاً فرعون نے جادوگروں سے کہا کہ تم بغیر میری اجازت کے موسیٰ پر ایمان لائے اس کے لیے سورۂ اعراف میں آمَنْتُم بِہ اور سورہ طٰہٰ اور سورہ شعراء میں آمنتم لہ ہے۔

س ۸: یَحْذَرُ الْمُنَافِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَیْهِمْ سُوْرَةٌ۔ منافق ڈرتے ہیں کہ ان کے اوپر کوئی سورہ نہ نازل ہو جائے۔ سورہ تو نبی پر نازل ہوتی تھی نہ کہ منافقوں پر۔

ج: یہاں علیٰ کے معنی ہیں فی کے یعنی ان کے بارے میں جیسے سورہ بقرہ میں ہے عَلٰی مُلْکِ سُلَیْمَان حضرت سلیمان کی سلطنت کے بارے میں۔

س ۹: نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِیَهُم منافق اللہ کو بھول گئے۔ سو اللہ ان کو بھول گیا لیکن اللہ تو بھولنے والا نہیں لَا یَضِلُّ رَبِّی وَلَا یَنْسٰی (طٰہٰ۲) میرا رب نہ بہک سکتا ہے نہ بھول سکتا ہے۔

ج: پہلے بھی اس کا ذکر آ چکا ہے۔ اللہ کے بھولنے سے مراد ہے بھولنے والے کو سزا دینا۔ قرآن میں ہے قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِی اَعْمٰی وَقَدْ کُنْتُ بَصِیْراً قَالَ کَذٰلِکَ اَتَتْکَ آیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا وَ کَذٰلِکَ الْیَوْمَ تُنْسٰی (طٰہٰ۲) وہ کہے گا کہ اے میرے رب مجھے تو نے اندھا کیوں اٹھایا میں تو بینا تھا۔ اللہ فرمائے گا ایسا ہی ہونا چاہیے۔ تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں تو نے ان کو بھلا دیا اسی طرح آج تو بھلا دیا جائے گا۔

س ۱۲: اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْراً وَّ نِفَاقاً وَّ اَجْدَرُ اَنْ لَّا یَعْلَمُوا حُدُوْدَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ بدّو کفر اور نفاق میں بہت کٹر ہیں اور اسی لائق ہیں

Marfat.com

کہ نہ جان سکیں وہ قاعدے جو اللہ نے اپنے رسول پر اتارے۔ پھر ایسے جاہلوں کے اشعار سے قرآن سمجھنے میں کیوں سند لی جاتی ہے؟

ج: ان کے اشعار سے قرآن کے احکام پر نہیں بلکہ الفاظ پر سند لائی جاتی ہے جو ان کی زبان کے ہیں اور جس کے وہ ماہر تھے۔

س ۱۴: فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۔ جب ابراہیم کو معلوم ہو گیا کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن ہے انھوں نے اس سے برائت کرلی۔ حضرت ابراہیم کو پہلے ہی سے علم تھا کہ ان کے باپ مشرک ہیں اور یہ جانتے ہوئے انھوں نے دعا کی تھی وَاغْفِرْ لِاَبِیْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ (شعراء۵) میرے باپ کو بخش دے وہ گمراہوں میں سے تھا۔

ج: حضرت ابراہیم کو ان کے باپ نے جب گھر سے نکالا تو انھوں نے فرمایا تھا سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ (مریم۳) میں تمھارے لیے اپنے رب سے مغفرت مانگوں گا۔ چنانچہ ان کے مغفرت مانگی جس کا ذکر سورہ ابراہیم میں بھی ہے اور سورہ شعراء میں بھی۔ اس میں کیا شبہ کہ وہ اپنے باپ کے مشرک ہونے کو جانتے تھے لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ ان کے لیے موحدوں کو مغفرت نہیں مانگنی چاہیے یہاں خاتم النبیین اور مومنوں کو بھی اسی بات کی تلقین فرمائی گئی۔

س ۱۶: فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے ایمان کو جو سورت اترتی ہے زیادہ کرتی ہے جا بجا قرآن تصریح کرتا ہے کہ ایمان میں زیادتی ہوتی ہے پھر بعض مسلم فرقے یہ عقیدہ کس بنیاد پر رکھتے ہیں کہ ایمان نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے۔

ج: ان کے امام نے یہ بات کہہ دی ہے کہ اب وہ اپنے امام کے قول کی تاویل کے بجائے آیات الٰہی میں تاویلیں کرتے ہیں۔

Marfat.com

سورہ یونس

س[۱]: وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ آيٰتِنَا غَافِلُوْنَ اُوْلٰئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّار جولوگ ہماری آیتوں سے بے خبر ہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے کیا بے خبری عذر نہیں ہے۔

ج: عذر ہوتی تو جہنمی کیوں ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے جن وانس کی بڑی تعداد جہنم ہی کے لئے پیدا کی ہے وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ (اعراف ۲۴) ہم نے پیدا کیے ہیں دوزخ کے لیے بہت سے جن و انس[۱] ان کو آیات الٰہی پہنچیں یا نہ پہنچیں ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوتی اور زہر کوئی جان کر کھالے یا بے جانے بہر صورت قاتل ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت دے دیتا مگر یہ اس کی مشیت نہیں ہے۔ وَلَوْشِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هَدَاهَا۔ وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّىْ لَاَمْلَاَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (سجدہ ۲) اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو اس کی سیدھی راہ دکھا دیتے۔ لیکن میں نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ جہنم کو جن وانس سے اکٹھا ضرور بھر دوں گا۔

س: اس صورت میں جن کو آیات پہنچیں اور انھوں نے بے خبروں کو تبلیغ نہیں کی وہ بھی مجرم قرار پاتے ہیں۔

ج: تبلیغ مسلمانوں پر جماعتی فرض یعنی فرض کفایہ ہے۔ انھوں نے جب تک اس فرض کو ادا کیا اللہ ان کو اور ان کے دین کو عروج دیتا رہا۔ کچھ زمانہ کے بعد وہ تخت و تاج کی لذت اور جاہ و مال کی حرص میں پڑ کر اس فریضہ سے غافل ہو گئے جس کی سزا میں اللہ نے ان نعمتوں کو جو ان کو دیا تھا ان سے چھین لیا اور جن کو تبلیغ نہیں کی تھی انھیں ہاتھوں کو ذلیل و خوار کرا دیا۔

س[۱]: وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ

---

[۱] جن وانس دونوں لفظ جہاں جہاں قرآن میں ساتھ ساتھ آئے ہیں ان سے انسانوں ہی کے دو مختلف طبقے مراد ہیں۔ آئندہ کسی موقع پر اس کا ذکر آئے گا)

Marfat.com

هٰـؤُلَآءِ شُفَعَاءُنَا عِنْدَاللّٰه ۔ قُلْ اَتُنَبِّئُونَ بِمَالَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ اور اللہ کے سوا پوجتے ہیں ان کو جو نہ ان کو نقصان پہنچتے ہیں نہ نفع۔ اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے یہاں۔ کہہ دے کہ کیا تم اللہ کو خبر دیتے ہو ان کو جو اس کو معلوم نہیں آسمانوں میں نہ زمین میں۔ قرآن کے مترجموں نے اس آیت کا یہی ترجمہ کیا ہے اور اکثر مفسروں نے بھی لایعلم کا فاعل اللہ ہی کو قرار دیا ہے یعنی لاعلمی اس کی طرف منسوب کی ہے۔

ج: اللہ کی طرف کسی جہت سے بھی لاعلمی منسوب کرنا بڑی جسارت ہے۔ درآنحالیکہ قرآن تصریح کے ساتھ کہتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْئٍ (عنکبوت ۴) جس چیز کو بھی وہ اللہ کے ماسوا پکارتے ہیں اس کو اللہ جانتا ہے۔ آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔ کیا تم اللہ کو خبر پہنچاتے ہو ان کے ذریعہ سے جن کو آسمانوں اور زمین کی کسی شئی کا علم نہیں۔ درحقیقت مشرک اپنے اور اللہ کے درمیان اپنے معبودوں کو واسطے بناتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ اللہ کے یہاں ہماری سفارش کریں گے۔ قرآن نے کہا کہ ان کو کسی شئے کا علم ہی نہیں ہے وہ تمھاری خبر اللہ کو کیا دیں گے اور کیا سفارش کریں گے۔

س۳: وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعاً ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَکُوا مَکَانَکُمْ اَنْتُمْ وَشُرَکَآءُکُمْ جس دن ہم سب کو جمع کریں گے مشرکوں سے کہیں گے کہ تم اور تمھارے شرکاء اپنی جگہ پر رک جاؤ۔ دوسری جگہ ہے لَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ (آل عمران ۸) قیامت کے دن اللہ نہ ان سے بات کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا۔ ان میں تعارض کا خیال ہوتا ہے۔

ج: قیامت میں حالات اور مواقع مختلف ہوں گے کہیں کچھ ہوگا کہیں کچھ۔ یہ سب باتیں ایک وقت اور ایک موقع کی نہیں ہیں کہ ان کو باہم متعارض کہا جائے۔

س۴: قُلْ فَأْتُوا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ کہہ دے کہ قرآن جیسی ایک ہی سورہ بنالاؤ۔ یہاں ایک ہی سورہ بنانے کا مطالبہ ہے اور اس سے اگلی سورہ میں دس سورتوں کا۔

Marfat.com

ج: جا بجا قرآن نے منکروں کو تحدّی کی ہے کہ تم قرآن جیسا کلام نہیں بنا سکتے۔ کہیں دس سورہ کہیں ایک سورہ اور کہیں ایک ہی آیت۔ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ (طور۲) اگر وہ سچے ہیں تو ایک ہی بات قرآن جیسی بنا کر لائیں۔ وہ اس پر بھی قادر نہ ہو سکے۔

س۸: وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا تو جس حال میں ہوتا ہے اور جس میں قرآن پڑھتا ہے اور جو کام تم کو کرتے ہو ہم ضرور تمھارے پاس موجود ہوتے ہیں۔ کیا بات ہے کہ پہلی دو باتوں کا خطاب رسول اللہ سے ہے اور تیسری میں پوری امت شریک کر لی گئی ہے؟

ج: تیسرے فعل کو جمع لا کر یہ ظاہر کر دیا کہ پہلے دونوں میں بھی اگرچہ خطاب صرف نبی سے ہے۔ پوری امت شریک ہے بولنے کا یہ اسلوب بلاغت کے لحاظ سے کلام میں قوت پیدا کرنے کا سبب ہوتا ہے۔

س۹: وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ تیرے رب کی نظر سے زمین اور آسمان کا ایک ذرہ بھی اوجھل نہیں ہے۔ یہاں زمین پہلے ہے اور آسمان بعد۔ اور بعینہ یہی بات سورہ سبا میں ہے وہاں آسمان پہلے ہے اور زمین بعد میں۔

ج: یہاں اعمال کا ذکر ہے جس کا محل زمین ہے۔ اس لیے اس کا ذکر پہلے لایا گیا۔ اور سورہ سبا میں قیامت کا بیان ہے جو پہلے بلندی سے شروع ہوگی۔ یعنی آسمان شق ہوگا اور ستارے ٹوٹ پڑیں گے۔

س: فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً آج ہم تیرے بدن کو نکالے دیتے ہیں کہ تو آنے والوں کے لیے نشانی بنے۔ فرعون نے ڈوبتے وقت توحید کا کلمہ پڑھا اور اپنے کو مسلمان کہا۔ اللہ نے اس پر فرمایا کہ ہم تیرے جسم کو نجات دیتے ہیں حالانکہ قرآن نے قطعی فیصلہ کر دیا ہے جیسا کہ پہلے گزر

Marfat.com

چکا کہ موت کے وقت کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ مگر فرعون کے لیے تو وہ کارآمد ہوئی کہ اس کے جسم کو اللہ نے نجات دے دی۔

ج: جسم کی نجات کیا نجات ہے۔ اگر روح کو بھی نجات نہ ہوئی۔ اور سمندر کے پانی سے نجات کیا نجات ہے اگر جہنم کی آگ سے نجات نہ ہوئی۔ پھر یہ نجات بھی اس کے فائدہ کے لیے نہ تھی بلکہ اس لیے ہوئی کہ آیندہ نسلیں اس سے عبرت حاصل کریں۔[1]

س۱۰: فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ اگر تجھ کو اس میں شک ہو جو ہم نے تیری طرف اتارا ہے الایہ۔ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے جو یقیناً شک سے بری تھے۔

ج: خطاب بے شک نبی سے ہے لیکن روئے سخن شک کرنے والوں کی طرف ہے۔ چنانچہ اس کے بعد قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ کہہ دے کہ لوگو! اگر تم کو میرے دین میں شک ہے الآیہ۔

س۱۰: وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا اگر تیرا رب چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ایمان لاتے کُلُّھُم کے بعد جمیعاً کس ضرورت سے لایا گیا۔ اور مشیت میں کیوں سب کی ہدایت نہیں رکھی گئی۔

ج: لفظ کل کا احاطہ کے لیے ہے اور جمع کا شمول کے لیے۔ یعنی سارے اکٹھے۔ دونوں کا ایک ساتھ استعمال جملہ کو موکد کر دیتا ہے۔ رہی مشیت تو وہ ہمارے چون و چرا سے بالاتر ہے۔ خود اللہ ہی نے اس کی ایک وجہ بیان فرمائی۔ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ

---

[1] غرق ہو جانے کے بعد جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے فرعون کی لاش سمندر سے نکالی گئی۔ مصریوں نے اپنے اس زمانہ کے دستور کے مطابق ممی بنا کر اس کو ایک تہ خانہ میں محفوظ کر دیا۔ بیسویں صدی کے آغاز ۱۹۰۴ء میں وہ برآمد ہو گئی۔ علم الآثار والوں نے ثبوت مہیا کر لیا ہے کہ یہ وہی فرعون ہے جو بنی اسرائیل کا پیچھا کرتے ہوئے سمندر میں غرق ہوا تھا۔ اب اس خدائی کے مدعی کا بے جان جسم جیزہ کے انتیقہ خانہ حدیوی میں اہل نظر کے لیے عبرت کا تماشا ہے۔

Marfat.com

الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (سجدہ ۲) اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دے دیتے لیکن میرا فیصلہ ہو چکا ہے کہ ضرور میں دوزخ کو بھر دوں گا جن وانس سے۔

سورۂ ھود

س: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ جو بھی زمین پر چلنے والا ہے اس کی روزی اللہ کے ذمے ہے۔ یہاں فی سے زیادہ علٰی کا موقع معلوم ہوتا ہے کیونکہ دابۃ اسی کو کہتے ہیں جو زمین پر چلتا ہے نہ کہ زمین میں۔

ج: فی علٰی کے معنی آتا ہے۔ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِى جُذُوْعِ النَّخْلِ (طٰہٰ ۳) میں تم کو سولی دوں گا۔ کھجور کے ڈھنڈ پر۔ یہاں فی اس لیے لایا گیا ہے کہ اس سے معنی میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ جاندار بھی آجاتے ہیں جو زمین کے اندر ہیں۔

س: وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَبْعُوْثُوْنَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ۔ اگر تو کہے کہ تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے تو وہ ضرور کہیں گے کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔ کون سی چیز جادو ہے؟

ج: سحر کے معنی جادو کے بھی ہیں اور جھوٹ کے بھی۔ یہاں اس کے معنی جھوٹ کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے اور ایسے متعدد مقامات قرآن میں ہیں جہاں سحر کے معنی جھوٹ کے ہیں مگر لوگوں نے جادو ترجمہ کر کے ان آیات کے مفہوم کو بگاڑ دیا ہے۔

س: يٰۤاَرْضُ ابْلَعِىْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِىْ۔ اے زمین اپنا پانی نگل جا اور آسمان تھم جا۔ بے جان زمین اور آسمان کو خطاب کر کے حکم دینے کے کیا معنی ہیں؟

ج: خطاب ہے عالم ملکوت کے کارکنوں سے جو ان چیزوں پر موکل ہیں۔ اور اسی کو امر تکوینی کہتے ہیں۔ کُنْ فَيَكُوْن۔

س: تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَاۤ اِلَيْكَ۔ یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم

Marfat.com

تجھ کو وحی کرتے ہیں۔ یہاں مونث کی ضمیر ہے اور سورہ آل عمران۔ نیز سورہ یوسف میں ذَالِکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ نُوحِیْهِ اِلَیْکَ مذکر کی ضمیر ہے۔

ج: انباء کا لفظ جمع ہے اور جمع کے لیے مذکر اور مونث دونوں ضمیریں آسکتی ہیں۔

س: یَوْمَ یَأْتِ لَاتُکَلِّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاذْنِهٖ۔ جب حشر کا دن آئے گا تو کوئی شخص اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں بولے گا۔ دوسری جگہ ہے یَوْمَ تَاْتِی کُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا (نحل ۱۵) اس دن آئے گا ہر شخص اپنی طرف سے مدافعت کرتے ہوئے۔ پھر سورہ مرسلات میں ہے هٰذَا یَوْمُ لَایَنْطِقُوْنَ وَلَا یُؤْذَنُ فَیَعْتَذِرُوْنَ۔ یہ وہ دن ہے کہ نہ بولیں گے اور نہ ان کو اجازت دی جائے گی کہ معذرت کریں۔ ان آیات میں باہم تضاد کا خیال ہوتا ہے۔

ج: پہلے بھی ایک سوال اسی قسم کا آچکا ہے۔ جواب اس کا ایک ہی ہے یعنی قیامت میں حالات اور مقامات مختلف ہوں گے۔ کہیں ان کو بولنے کی اجازت دی جائے گی اور کہیں ان کے منہ پر مہر لگادی جائے گی اور ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے۔

س: خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ اس میں رہیں گے جب تک آسمان اور زمین ہیں۔ یہاں اہلِ جنت و جہنم دونوں کا خلود آسمان و زمین کے قائم رہنے تک مقید کردیا گیا ہے۔ حالانکہ ہر جگہ قرآن نے اس کو مطلق رکھا ہے۔

ج: اصولاً یہی وہ قید ہر جگہ لگ جائے گی اور ان کے خلود کی میعاد اسی مدت معینہ تک کے لیے ہوگی جو آسمان اور زمین کے لیے ہے۔ مَاخَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّی (احقاف ۱) ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، حق کے ساتھ ایک مدت مقررہ کے لیے پیدا کیا ہے۔ قیامت میں آسمان زمین بدل جائیں گے لیکن ان کے مدت معینہ سے خارج ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے۔

س: وَلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ وَلِذَالِکَ خَلَقَهُمْ

Marfat.com

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۔اور وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔بجز ان کے جن پر اللہ نے رحم کیا اور اسی لیے ان کو پیدا کیا ہے اور پوری ہو کر رہے گی بات تیرے رب کی کہ میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو جن وانس سب سے۔کس لیے پیدا کیا ہے اختلاف کے لیے یا رحم کے لیے؟

ج: عرش پر رحمٰن براج رہا ہے۔اس نے رحمت ہی کے لیے پیدا کیا ہے لیکن جن وانس کی کثیر تعداد دوزخ کے لیے بنائی گئی ہے۔وہ لامحالہ اختلاف کرتے رہیں گے اور انھیں سے دوزخ بھری جائے گی جو اختلاف سے بچیں گے وہ رحمت الٰہی میں جگہ پائیں گے۔وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَلٰكِنْ يُدْخِلُ مَنْ يَّشَاءُ فِيْ رَحْمَةِ (شوریٰ ا) اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن جس کو چاہتا ہے اسی کو اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے۔یہاں سے اختلاف کے معنی بھی سمجھ میں آ جاتے ہیں یعنی دین الٰہی سے اختلاف۔

سورہ یوسف

س ا: يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ ۔چرے اور کھیلے۔حضرت یوسف کے بھائیوں نے باپ سے ان کو ساتھ لے جانے کی اجازت مانگتے ہوئے ان کے لیے ایسا لفظ کیوں استعمال کیا جو حیوان کے لیے بولا جاتا ہے؟

ج: یوسف علیہ السلام اس وقت نابالغ بچے تھے۔ان کے کھانے کے لیے استعارتاً ایسا لفظ بولنے میں کیا قباحت ہے۔

س ۲: اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّأْكُلَهُ الذِّئْبُ ۔تم اس کو لے جاؤ گے تو مجھے دُکھ ہوگا۔اور میں ڈرتا ہوں کہ اسے بھیڑیا کھا جائے گا۔دو عذر حضرت یعقوب نے بیان فرمائے۔یوسفؑ کے بھائیوں نے صرف ایک کا جواب دیا کہ ہمارے ہوتے ہوئے بھیڑیا کیسے کھا جائے گا۔مگر دوسرے کا جواب نہ دیا۔

Marfat.com

ج: وہی تو اصل وجہ ان کو لے جانے کی تھی کہ باپ پر وقت ان کو سامنے رکھتا تھا۔ اسی لیے قصداً اس کا جواب نظر انداز کیا۔

س۲: وَاَوْحَیْنَا اِلَیْہِ۔ ہم نے یوسف کو وحی کی۔ یوسفؑ اس وقت بچے تھے اور وحی تو چالیس سال کی عمر میں ہوتی ہے۔

ج: یہ وحی رسالت نہ تھی بلکہ خود ان کے لیے ذاتی الہام تھا۔ جیسے حضرت موسیٰ کی والدہ کی طرف بھیجی گئی تھی۔

س۳: وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗ اٰتَیْنَاہُ حُکْماً وَّعِلْماً۔ جب وہ اپنی قوم کو پہنچا ہم نے اس کو علم اور حکمت دی اور حضرت موسیٰ کے بارے میں ہے وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗ وَاسْتَوٰی اٰتَیْنَاہُ حُکْماً وَّعِلْماً (قصص ۲) جب وہ پہنچا اپنی قوت کو اور سنبھل گیا ہم نے اس کو علم اور حکمت دی۔

ج: بلوغ اشد پوری جوانی کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس پر استویٰ کا اضافہ کمال عقل کو ظاہر کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کو جس عمر میں حکم اور علم عطا ہوا نسبتاً اس سے کم عمر میں حضرت یوسف کو ملا تھا۔

س۳: وَشَھِدَ شَاھِدٌ مِّنْ اَھْلِھَا۔ زلیخا کے لوگوں میں سے ایک نے گواہی دی۔ اس نے بتایا تھا کہ یوسف کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہو تو وہ مجرم ہیں پیچھے سے پھٹی ہو تو زلیخا۔ یہ تو ایک علامت تھی۔ اس کو شہادت کے لفظ سے کیوں تعبیر کیا؟

ج: اس کے بیان سے چونکہ حضرت یوسف کا قول پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا اس لیے اس کو شہادت کہا۔ کیونکہ شہادت کا مقصد ثبوت ہی ہوتا ہے۔

س۴: اَخْرَجَ عَلَیْھِنَّ۔ نکل آ، ان کے سامنے۔ خرج کے ساتھ عام طور پر الیٰ مستعمل ہوتا ہے۔ یہاں علیٰ کیوں لایا گیا؟

ج: جہاں اہمیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے وہاں علیٰ استعمال کرتے ہیں جیسے قارون کے متعلق ہے فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِہٖ فِیْ زِیْنَتِہٖ (قصص ۸) نکلا اپنی قوم کے سامنے زیب و زینت کے ساتھ۔

Marfat.com

س: اَمَرَ اَنْ لَّاتَعْبُدُوْٓ اِلَّآ اِیَّاہُ۔ اللہ نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کے بندے نہ بنو۔ امر کی تفسیر نہیں کے ساتھ کیا معنی رکھتی ہے؟

ج: یہی حصر کی صورت میں امر ہی کا فائدہ دیتی ہے۔ مطلب اس کا وہی ہے اللہ نے دوسرے مقامات میں فرمایا کہ میرے ہی بندے بنو۔

س ۸: قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ۔ یوسف نے کہا کہ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دے۔ انبیاء کی نگاہ میں دنیا کی کیا قدر ہے جو اس کے لیے درخواست کی؟

ج: تا کہ عدل اور غریبوں کی بہبودی کر کے اللہ کی رضا حاصل کریں۔ چنانچہ اللہ نے بھی اپنے اس احسان کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ۔ اس طرح ہم نے یوسف کو ملک میں اختیار عطا فرمایا۔

س ۹: اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ۔ اے قافلہ والو! تم ضرور چور ہو۔ حضرت یوسف کو معلوم تھا کہ وہ چور نہیں ہیں۔ پھر ان کے اوپر الزام کیوں لگایا؟

ج: بظاہر شکل سرقہ کی تھی اور اس سے مقصود قافلہ والوں کو چور بنانا نہیں تھا بلکہ صرف اپنے حقیقی بھائی کو اپنے پاس رکھنے کے لیے ملزم گردانتا تھا جس کو انھیں پہلے ہی سمجھا دیا تھا۔

س: نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ۔ ہم جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں اور ہر علم رکھنے والے سے بڑھ کر علم رکھنے والے۔ اس دوسرت جملے میں متبدا نہیں مذکور ہے جس کی وجہ سے مفسروں نے مختلف معانی نکالنے کی کوشش کی ہے۔ صحیح مفہوم کیا ہے؟

ج: صحیح مفہوم یہ ہے کہ ہم سب علم والوں سے بڑھ کر علم رکھتے ہیں یعنی نرفع میں جو ضمیر جمع متکلم کی ہے وہی دوسرے جملے میں بھی مبتدا ہے۔ نَحْنُ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ وَنَحْنُ فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ۔ اس کی تشریح دوسری آیت سے ہوتی ہے۔ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ

Marfat.com

عَلِیۡمٌ (انعام۱۰) ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کردیتے ہیں۔ بے شک تیرا رَب حکیم اور علیم ہے۔

س ۱۰: وَابۡیَضَّتۡ عَیۡنَاهُ مِنَ الۡحُزۡنِ۔ یعقوب کی دونوں آنکھیں غم سے سفید ہوگئیں۔ غم سے آنکھیں سفید ہوجانا غیر معمولی ہے۔ کہیں سننے میں نہیں آیا۔

ج: غم سے مراد ہے گریۂ غم جس کی کثرت سے آنکھوں کا سفید ہوجانا غیر معمولی نہیں ہے۔

س ۱۱: وَخَرُّوۡا لَهٗ سُجَّدًا۔ اور سب اس کے آگے سجدے میں گر گئے۔ اس کی تفسیریں اتنی مختلف کی گئیں ہیں کہ حقیقت ان میں گم ہوگئی ہے۔

ج: اس کی تین تاویلیں بیان کی گئی ہیں۔ پہلی یہ کہ خرّ و کے معنی جھک گئے۔ گر نہیں پڑے۔ لیکن یہ تاویل بے معنی ہے۔ بے شک خرّ کے معنی قرآن میں جھکنے کے آئے ہیں۔ خَرَّ رُکَّعاً (ص۲) داؤد جھک گئے رکوع میں۔ یہاں معنی ہوں گے کہ جھک گئے سجدے میں۔ پھر سجدہ اور کس کو کہتے ہیں۔ دوسری تاویل یہ کی گئی ہے کہ لہٗ کی ضمیر کا مرجع اللہ ہے۔ یعنی وہ لوگ اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے گر گئے۔ یہ قرآن کے بالکل منافی ہے۔ اس لیے کہ حضرت یوسف نے خواب میں سورج چاند اور ستاروں کو سجدہ کرتے دیکھا تھا اور ان لوگوں کے سجدہ کرنے پر فرمایا یَآ اَبَتِ هٰذَا تَاۡوِیۡلُ رُءۡیَایَ مِنۡ قَبۡلُ قَدۡ جَعَلَهَا رَبِّیۡ حَقًّا۔ ابا جان! یہ تعبیر ہے اس خواب کی جو میں نے دیکھا تھا۔ میرے رَب نے اس کو سچ کردکھایا۔ اس سے واضح ہوگیا کہ حضرت یوسف ہی کے سجدے میں گرے تھے نہ کہ اللہ کے۔ تیسری تاویل عام مفسرین نے یہ کی ہے کہ سجدۂ تعظیمی تھا جو پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ لیکن یہ دونوں باتیں تسلیم کے قابل نہیں۔ پہلی شریعتوں میں بھی جو انبیاء پر نازل ہوئیں اسی توحید کی تعلیم تھی جو قرآن میں ہے۔ وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ۔ (انبیاء۲) اور تجھ سے پہلے ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا۔ مگر کہ ہم اس کی طرف وحی بھیجتے رہے کہ

Marfat.com

میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تم مجھ ہی پوجو۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ بندگی یا تعظیم کسی لحاظ سے بھی غیر اللہ کو سجدہ کرنا کسی سابقہ شریعت میں جائز رکھا گیا ہو۔ پھر یہ سجدۂ تعظیمی ہو کیسے سکتا ہے۔ حضرت یعقوب یوسفؑ کے باپ تھے۔ ان کا حق ابوت اور حق تربیت یوسف پر قائم تھا۔ نبوت کے لحاظ سے بھی ان کا درجہ یوسف سے بلند ثابت کیا جاسکتا ہے۔ پھر اگر سجدۂ تعظیمی کوئی شئے ہے تو یوسف کو کرنا چاہیے۔ اپنے باپ کو نہ کہ یعقوب کریں اپنے بیٹے کو۔ بعضوں نے ایک چوتھی تاویل بھی کی ہے کہ یہ سجدہ مصری دستور کے مطابق تھا۔ یہ بالکل بے ثبوت ہے۔ علاوہ بریں یہ مجلس جس میں حضرت یوسف نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا تھا اور ان کے سب بھائی حاضر تھے خانگی مجلس تھی جس میں مصری آدب کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ لہٰذا یہ تاویل بھی بے حقیقت ہے۔ دراصل اس سجدے کی علت محبت کے جذبے کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ حضرت یعقوب فرط محبت سے بیٹے کی طرف گر گئے اور سب گھر والوں نے ساتھ دیا اور یہ محض ایک غیر اختیاری چیز تھی۔

س۱۱: وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ ۔ اللہ نے مجھ پر احسان کیا جبکہ مجھ کو قید خانے سے نکالا۔ قید سے نکلنے پر اللہ کا شکر کیا۔ کیوں کنوئیں سے نکلنے کا ذکر نہیں کیا؟

ج: کیونکہ جن بھائیوں نے کنویں میں ڈالا تھا وہ سامنے موجود تھے اور حضرت یوسف ان کے قصور کو معاف کر چکے تھے۔ اس لیے اس کے ذکر کو مناسب خیال نہ فرمایا۔

س۱۲: حَتّٰیٓ اِذَا اسْتَایْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوْا ۔ یہاں تک کہ جب رسول مایوس ہو گئے اور ان کو خیال ہونے لگا کہ ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا ہے۔ کیا پیغمبر اللہ کے وعدے کی نسبت جھوٹے ہونے کا گمان کر سکتے ہیں؟

ج: بعض وعدہائے الٰہی کی مدت معین ہوتی ہے جیسے ناقۂ صالح کے پاؤں کاٹنے کے بعد منکروں کے لیے تین دن کی مدت معین کی گئی تھی۔ ایسے وعدوں کی نسبت بدگمانی نہیں ہو سکتی۔ مگر جس وعدے کی مدت معین نہ ہو اور اس کے پورا ہونے میں اتنی دیر

Marfat.com

لگے کہ دلوں میں مایوسی پیدا ہو جائے۔ اس وقت اس کی نسبت پیغمبر کے دل میں بدگمانی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ بھی بشر ہے۔ قرآن میں ہے حَتّٰی یَقُولُ الرَّسُولُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ ۔(بقر۲۶) یہاں تک کہ کہنے لگے رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے کہ کب اللہ کی مدد آئے گی۔

سورۂ رعد

س۶: یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتَابُ ۔اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے۔ اس کے پاس اصل کتاب ہے۔ کیا مقدرات لکھ کر تقدیر کا قلم خشک نہیں ہو چکا؟ جیسا کہ لوگوں میں مشہور ہے۔

ج: مشہور تو بہت سی باتیں ہیں۔ تقدیر کی کتاب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جب وہ خود کہتا ہے کہ اس میں محو و اثبات کرتا رہتا ہوں تو کون ہے جو اس کے قلم کو خشک کہہ سکے۔ تقدیر الٰہی میں قیاسات اور مباحث انسانوں کی محدود عقلوں کے کھیل ہیں۔ دوسری آیت میں ہے وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖ اِلَّا فِیْ كِتَابٍ (فاطر۲) کسی بڑی عمر والے کو جو عمر دی جاتی ہے اور جو اس کی عمر گھٹائی جاتی ہے سب کتاب میں ہے۔

سورۂ ابراہیم

س۱: وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ ۔جو رسول ہم نے بھیجا اسی کی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا۔ یہ بات پہلے رسولوں کے متعلق مناسب تھی جو ایک ہی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے۔ مگر خاتم النبین تو جملہ اقوام عالم کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔ ان کو صرف عربی زبان میں کیوں پیغام ملا؟

ج: آیت میں قوم کا لفظ ہے نہ کہ امت کا۔ خاتم النبین کی امت ساری قومیں ہو سکتی ہیں۔ مگر آپ کی قوم تو صرف عرب ہے۔ اس لیے عربی زبان میں کتاب ملی۔

Marfat.com

س: رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ۔ اے میرے رب! ان بتوں نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کیا ہے۔ بت کس طرح گمراہ کرتے ہیں؟

ج: مجازاً ان کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ یعنی ان بتوں کے پیچھے بہت لوگ گمراہ ہوئے۔ قرآن میں ہے وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ (انعام ۱۶) ان کو دنیاوی زندگی نے دھوکا دیا۔ یعنی دنیاوی زندگی کے پیچھے وہ دھوکے میں پڑے۔

سورۂ حجر

س: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ ۔ ہم نے اتارا ہے الذکر کو اور ہم ضرور اس کی حفاظت کریں گے۔ یہاں الذکر سے قرآن مراد لینے کی کیا دلیل ہے؟

ج: قرآن کی بہت سی آیتیں اس کے ثبوت میں پیش کی جاسکتی ہیں جن میں سب سے مفصل آیت یہ ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ وَاِنَّهٗ لَكِتَابٌ عَزِيْزٌ لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۔ (حم سجدہ ۵) جن لوگوں نے الذکر کا اس کے آجانے کے بعد انکار کیا اور حقیقت یہ ہے کہ وہ عزت والی کتاب ہے جس میں جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہے نہ پیچھے سے اتاری ہوئی ہے حکم کی جو سزاوار حمد ہے۔ اللہ نے قرآن کے ایک ایک لفظ کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهٖ ۔ (کہف ۴) تیرے رب کی جو کتاب تیرے اوپر وحی کی گئی ہے۔ اس کی تلاوت کر۔ کوئی اس کے الفاظ کو بدلنے والا نہیں ہے۔

س۲: وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُوْنَ ۔ ہم زندہ کرتے ہیں اور ہم موت دیتے ہیں اور ہم ہی وارث ہیں۔ وارث کسی غیر ملکیت سے ملتی ہے اور اللہ تو ہمیشہ سے مالک ہے۔

Marfat.com

ج: وارث کا اطلاق باقی رہنے والے پر بھی ہوتا ہے۔ یعنی سب فنا ہوجائیں گے اور ہم ہی باقی رہیں گے۔

س۴: قَدَّرْنَا اِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِيْنَ۔ فرشتوں نے کہا ہم نے طے کرلیا ہے کہ لوط کی بیوی ہلاک ہونے والوں میں سے ہے۔ تقدیر الٰہی کو فرشتون نے اپنی طرف کیسے منسوب کیا؟

ج: عالم ملکوت کے کارکن روح ہوں یا فرشتے، جو کام کرتے ہیں اللہ کی مشیت اور اس کے حکم سے کرتے ہیں۔ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (نحل ۶) اوپر سے اپنے رب کا ڈر رکھتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جو حکم پاتے ہیں۔ اس وجہ سے اللہ کے افعال کبھی اللہ کی طرف کبھی ان کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔ سورۂ مریم کے دوسرے رکوع میں ہے قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا۔ روح نے کہا کہ میں فرستادہ ہوں تیرے رب کا کہ تجھے ایک پاکیزہ فرزند دوں۔ حضرت ابراہیم کو اسحاق کی بشارت کہیں اپنی طرف منسوب فرمائی ہے کہیں فرشتوں کی طرف۔

س۶: فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ قسم ہے تیرے رب کی ہم ان سب سے سوال کریں گے ان کے اعمال کی بابت اور سورۂ رحمٰن میں ہے فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهٖ اِنْسٌ وَّلَا جَانٌّ۔ اس دن کسی جن وانس سے اس کے گناہ کی بابت سوال نہ کیا جائے گا۔

ج: کئی بار کہا جاچکا ہے کہ قیامت میں حالات اور مقامات مختلف ہوں گے۔ کہیں پوچھا جائے گا اور کہیں نہیں پوچھا جائے گا۔ اس کی کیفیت وہیں چل کر معلوم ہوگی۔ قصہ زمین برسر زمین۔ جو کچھ اللہ نے فرمایا اس پر ایمان ہے۔

س۶: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۔ عبادت کر اپنے رب کی تا کہ تجھے یقین آجائے۔ یہاں یقین کے معنی مفسروں نے موت لکھے ہیں یعنی مرتے دم تک عبادت کرو۔

Marfat.com

ج: دراصل یہاں عبادت کی اہمیت ظاہر کی گئی ہے کہ اس سے انسان کو یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ مفسروں نے کوئی دلیل نہیں لکھی جس کی بنیاد پر یقین کے حقیقی معنی سے عدول کیا جائے۔ سورہ مدثر کی آیت وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ حَتّٰى اَتٰنَا الْيَقِيْنُ ۔ہم آخرت کا انکار کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم کو یقین آیا۔ میں بھی یقین اپنے حقیقی معنی میں ہیں۔ کیونکہ مکذبین کا یہ قول آخرت کو دیکھ لینے بلکہ جہنم میں پہنچ جانے کے بعد کا ہے۔

سورۂ نحل

س۱: وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا ۔گھوڑے اور خچر اور گدھے کہ تم ان پر سواری کرو۔ ان کی تخلیق کی غرض سواری بیان کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کھانا حلال نہیں۔

ج: سواری بڑی غرض ہے لیکن اسی پر انحصار نہیں ہے ورنہ ان سے کھیتی کا کام لینا یا ان پر بوجھ لاد کر لے جانا بھی حرام ہوگا۔

س۱: وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔اللہ وہ چیزیں پیدا کرے گا جن کو تم نہیں جانتے ہو۔ جو چیزیں ان کے علم میں بھی نہ تھیں ان کو اپنے انعامات میں کس مصلحت سے گنایا؟

ج: سواری اور نقل و حمل کے لیے آئندہ جو سامان پیدا ہونے والے ہے مثلاً ریل، موٹر، دخانی جہاز اور طیارے وغیرہ اس وقت ان کی سمجھ میں نہیں آسکتے تھے۔ اس لیے ان کی طرف صرف اشارہ فرما دیا لیکن کیا امت انھیں لوگوں پر محدود تھی۔ اس کا سلسلہ تو قیامت تک جاری رہے گا اور ان انعامات پر آنے والی نسلیں شکر گزار ہوں گی۔

س۲: وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ وَّمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۔اللہ کے سوا جن کو مشرکین پکارتے ہیں وہ کچھ نہیں پیدا کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔ مردہ ہیں زندہ نہیں ہیں اور ان کو یہ بھی خبر نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

Marfat.com

یہاں اموات کے بعد غیر احیاء کہنے کی کیا ضرورت ہوئی؟

ج: مزید توضیح کے لیے جیسے سورہ بقر ۱۹ میں ہے وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ ۔ جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ جس زور کے ساتھ شہیدوں کو زندہ کیا ہے اور مردہ ہونے کی ان سے نفی کی ہے۔ اسی زور کے ساتھ ان انسانوں کو زندہ کیا ہے اور مردہ ہونے کی ان سے نفی کی ہے۔ اسی زور کے ساتھ ان انسانوں کو جن لوگوں نے معبود بنا رکھا ہے، یا جن کی قبروں کو پوجتے ہیں، مردہ کہا ہے اور زندہ ہونے کی نفی کی ہے۔ نیز علم و شعور کی بھی یہاں تک کہ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

س۵: اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَا اَرَدْنَاهُ اَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونَ ۔ ہم کب کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو اس سے ہمارا کہنا یہی ہوتا ہے کہ ہو جا، سو وہ ہو جاتی ہے۔ کیا معدوم کے اوپر بھی شئی کا اطلاق ہو سکتا ہے؟

ج: کیوں نہیں۔ قرآن میں ہے اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ (حج ۱) قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔ حالانکہ ابھی اس کا وجود کہاں ہے۔ علاوہ بریں ہونے والی کوئی چیز اللہ کے نزدیک معدوم نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اس کے علم میں ہے۔

س۸: وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ ۔ اگر اللہ انسانوں کے ظلم پر ان کی گرفت کرے تو زمین پر ایک جاندار کو بھی نہ چھوڑے۔ جانداروں نے کیا قصور کیا ہے؟

ج: کبھی کبھی عذاب عام بھی ہوتے ہیں جن کی لپیٹ میں بے گناہ بھی آجاتے ہیں۔ طوفان نوح کی موجوں میں منکروں کے ساتھ ان کے مویشی بھی بہہ گئے تھے۔ سورہ انفال ۳ میں ہے وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۔ ڈرو اس عذاب سے جو صرف انھیں لوگوں پر تم سے نہیں آئے گا۔ جنھوں نے ظلم کیا ہے یعنی عام ہوگا۔

س۱۱: وَمَا اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۔ قیامت کا معاملہ

Marfat.com

بس نظر کا ایک لمحہ ہے یا اس سے بھی قریب تر۔ او کا حرف شک کے لیے ہے اور اللہ شک سے بَری ہے۔

ج: او کا حرف کبھی بل کے معنی میں بھی آتا ہے کَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَة (بقرہ ۹) تمھارے دل پتھر کی طرح ہیں بلکہ سختی میں اس سے بھی بڑھ کر۔

س ۱۱: سَرَابِيْلُ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ۔ پیراہن جو تم کو گرمی سے بچاتے ہیں، سردی سے بھی بچاتے ہیں۔ اس کو ذکر کیوں نہ فرمایا؟

ج: ایک مقابل سے دوسرا سمجھ میں آجاتا ہے۔ اس لیے اس کا ذکر ضروری نہیں ہوتا۔ آل عمران میں ہے بِيَدِكَ الْخَيْرِ۔ شر کا ذکر نہیں۔

س ۱۲: نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَئِي۔ ہم نے تیرے اوپر کتاب اتاری۔ ہر شئے کی تشریح کرنے والی۔ جب تمام دینی امور کی تشریح اس کتاب میں کردی گئی ہے تو پھر علماء اور فقہا میں اس قدر بے شمار اختلافات کیوں واقع ہوئے؟

ج: علماء فقہا بھی اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ سوال انھیں سے کرنا چاہیے۔

س ۱۵: يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا۔ اس دن آئے گا ہر شخص اپنی طرف سے مدافعت کرتا ہوا۔ یہاں دونوں جگہ نفس کا لفظ بولا گیا ہے۔ کیا نفس کے بھی نفس ہے؟

ج: دونوں نفس کے معانی مختلف ہیں۔ پہلے نفس کے معنی ہیں شخص کے اور دوسرے سے مراد ہے واحد متکلم یعنی اپنی ذات۔

س ۱۵: فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ۔ اس بستی کو اللہ نے چکھادیا بھوک کا لباس۔ چکھانے کے لیے عام طور پر مزا بولا جاتا ہے اور لباس تو پہنایا جاتا ہے؟

ج: اس طرز بیان سے یہ ظاہر کرنا مقصود کہ بھوک کی مصیبت اتنی عام کردی گئی کہ ہر شخص پر چھا گئی اور اس طرح نمایاں ہوگئی جس طرح لباس۔ فن بلاغت میں اس کو تجرید الاستعارہ کہتے ہیں۔

Marfat.com

سورۂ بنی اسرائیل

س۱: اَسریٰ بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصیٰ ۔اللہ اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔ مسجد حرام سے مسجد اقصےٰ تک۔ عبد سے ہر شے ہے اور یہاں عظمت کا اظہار مقصود ہے۔ اس لیے رسول یا نبی کا لفظ مناسب تھا۔ پھر کیوں عبد لایا گیا؟

ج: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ مقامات میں جابجا قرآن نے عبد ہی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ سورۂ والنجم میں ہے فَاَوْحیٰ اِلیٰ عَبْدِہٖ مَا اَوْحیٰ اور یہ اس لیے کہ قرآن پر ایمان رکھنے والے نبی صلی اللہ علیہ وسم کو عبد ہی مانیں۔ نصاریٰ کی طرح ان کو خدا نہ بنائیں۔

س۱: بَارَکْنَا حَوْلَہٗ ۔ہم نے اس کے اردگرد برکتیں رکھی ہی۔ مسجد اقصےٰ مبارک مسجد ہے پھر فی ہونا چاہیے حولہٗ کیوں کہا گیا؟

ج: مسجد اور وہ بھی انبیاء کی تعمیر کی ہوی بذات خود برکت والی ہے۔ اور یہاں بیان کرنا مقصود ہے۔ اس کے اردگرد کی برکتوں کا۔ دینی برکتیں کہ وہ سرزمین بڑے بڑے انبیاء کا مستقر ہے اور دنیاوی برکتیں کہ اس میں باغات اور چشمے وغیرہ ہیں۔

س۲: وَجَعَلْنَا الَّیْلَ وَالنَّھَارَ اٰیَتَیْنِ ۔ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا۔ حضرت مریم کے قصے میں ہے وَجَعَلْنَاھَا وَابْنَھَا اٰیَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (انبیاء۶) ہم نے مریم اور اس کے بیٹے کو دنیا والوں کے لیے ایک نشانی بنایا۔ نشانی ایک جگہ دو ہے اور ایک جگہ ایک۔

ج: رات اور دن دو الگ الگ نشانیاں ہیں اور حضرت مریم سے عیسیٰ کی بن باپ کے ولادت کی وجہ سے دونوں مشتر کہ ایک ہی نشانی قرار دیا۔

س۲: وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّھْلِکَ قَرْیَۃً اَمَرْنَا مُتْرَفِیْھَا فَفَسَقُوْا فِیْھَا ۔جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوش حالوں کو حکم دیتے ہیں۔ وہ اس

Marfat.com

میں فسق پھیلاتے ہیں۔ دوسری جگہ ہے اِنَّ اللّٰہَ لَایَأْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ (اعراف ۳) اللہ بے حیائی کے کام کا حکم نہیں دیتا۔ ان دونوں میں تعارض کا وہم ہوتا ہے۔

ج: پہلی آیت میں امر سے مراد امر تکوینی ہے یعنی ہم ان کو ایسا بنا دیتے ہیں کہ وہ فسق و فجور پر اتر آتے ہیں اور دوسری آیت میں امر تشریعی ہے۔

س۴: وَلَا تَقْفُ مَالَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُوَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُولاً ۔ جس بات کا تجھے یقین نہ ہو اس کے پیچھے نہ چل۔ سمع، بصر اور قلب ہر ایک سے اس کی بابت باز پرس ہوگی۔ یقین کی شناخت نہیں بتائی گئی۔

ج: غالباً سمع، بصر اور قلب کی شہادت کا نام یقین ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ غیر یقینی بات کے پیچھے چلنا دنیاوی امور میں جہالت ہے اور دینی امور میں تو ہم پرستی۔ علم اور یقین کی توضیح سورہ انعام میں گذر چکی ہے۔

س۵: مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْعَاجِلَۃَ عَجَّلْنَا لَہٗ فِیْھَا مَانَشَاءُ لِمَنْ نُّرِیْدُ ۔ جو دنیا چاہتا ہے تو ہم اس سے جو کچھ چاہتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں دیتے ہیں۔ اور دوسرے مقامات پر ہے کہ جو دنیا چاہتا ہے اس کو دے دیتے ہیں۔ مَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِہٖ مِنْھَا (شورے ۳) جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس میں سے اس کو دیتے ہیں۔ ایک جگہ مطلق ہے کہ ہم ہر چاہنے والے کو دیتے ہیں اور ایک جگہ مقید کہ جس کو ہم چاہتے ہیں دیتے ہیں۔

ج: قرآن کی اصول کے مطابق جو قید کسی چیز کے ساتھ ایک جگہ لگائی جاتی ہے وہی ہر جگہ اس کے ساتھ رہتی ہے۔ بشرطیکہ کوئی قرینہ اس کے خلاف موجود نہ ہو۔ ایسی آیتیں جہاں جہاں بھی قرآن میں ہیں سب مشیت الٰہی کے ساتھ مقید ہو جائیں گی۔

س۶: وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ وَّاٰتَیْنَا دَاوٗدَ

Marfat.com

زَبُوراً ۔ہم نے ایک نبی کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور داؤد کو زبور عطا کی۔ کیا وجہ ہے کہ جملہ انبیاء کا ذکر مجمل کیا گیا اور حضرت داؤد کا نام لے کر؟

ج: حضرت داؤد کی خصوصیت کی بڑی وجہ تو یہ ہے کہ وہ پہلے نبی ہیں جن کو بادشاہت بھی عطا ہوئی۔ علاوہ بریں زبور ان کو دی گئی کہ جب اس کو پڑھتے تھے تو دنیا وجد کرتی تھی۔ قرآن کہتا ہے یَا جِبَالُ اَوِّبِی مَعَهُ الطَّیرَ ۔(سبا۲) اے پہاڑ اور پرندو! اس کے ساتھ آواز ملاؤ۔

س۶: وَمَا مَنَعَنَا اَنْ نُرسِلَ بِالاٰیَاتِ اِلّا اَنْ کَذَّبَ بِهَا الاَوَّلُونَ ۔ہم نے نشانیاں بھیجنی اس لیے بند کر دیں کہ اگلوں نے ان کو جھٹلا دیا۔ لیکن ممکن ہے کہ پچھلے ان کو نہ جھٹلائیں۔

ج: مکہ والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رسالت کے ثبوت کے لیے ایسے معجزے طلب کرتے تھے جو آنکھوں سے دیکھے جائیں۔ جیسے حضرت موسیٰؑ یا عیسیٰؑ کو ملے تھے لیکن ان حسی معجزات کو دیکھ کر بھی اگلے لوگوں نے انکار کیا تھا اور ان کو جادو اور نظر بندی قرار دیا تھا۔ بالآخر تمام حجت کے بعد وہ ہلاک کر دیے گئے۔ رحمۃ اللعالمین کے عہد میں اس چشم دید معجزات کے سلسلۂ ابتدا کو اللہ نے بند کر دیا کہ اب جو کوئی ایمان لائے وہ عقل و بصیرت سے ایمان لائے۔ اسی لیے آپ کو عقلی معجزہ قرآن دیا گیا جو ہمیشہ کے لیے قائم رہنے والا ہے۔ اس کا بیان سورہ انعام میں گذر چکا ہے۔

س۶: اَلشَّجَرَةَ المَلعُونَةَ فِی القُرآن ۔وہ درخت جس پر قرآن میں لعنت کی گئی قرآن میں تو کسی درخت پر لعنت نہیں ملتی۔

ج: ملعون کے معنی مکروہ یعنی بُرے کے بھی ہیں۔ قرآن میں زقوم یعنی سینڈھ کے درخت کا دو جگہ ذکر ہے اور برائی کے ساتھ ہے۔ اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّومِ طَعَامُ الاَثِیم (دوخان۳) سینڈھ کا درخت گنہ گار کی خوراک اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخرُجُ فِی اَصلِ الجَحِیم (والصافات۲) سینڈھ کا درخت ہے جو اگتا ہے جہنم کی تلی

Marfat.com

میں۔

س ۱۲: قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا اَنْزَلَ هٰؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ بَصَائِرَ ۔موسیٰ نے کہا فرعون سے کہ تو خوب جانتا ہے کہ یہ بصیرت کی چیزیں کسی نے سوائے اللہ کے نہیں اتاری ہیں۔ اگر فرعون خوب جانتا تھا کہ حضرت موسیٰ کے معجزات اللہ کی طرف سے ہیں تو ایمان کیوں نہ لایا؟ بعضوں نے اسی خیال سے یہاں عَلِمْتَ واحد حاضر کو عَلِمْتُ واحد متکلم پڑھا ہے اور اس قرآت کو حضرت علیؓ کی طرف منسوب کیا ہے یعنی موسیٰ نے کہا میں خوب جانتا ہوں۔

ج: شاذ قرأتیں خود قرآن کی تصریح کے مطابق نامعتبر ہیں جیسا کہ سورہ حج میں ہم لکھیں گے۔ کسی کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ اس آیت میں تحریف کی اور اپنی سند کے لیے حضرت علیؓ کا نام لے دیا۔ حالانکہ وہ قرآن کے ایک ایک لفظ کا علم رکھتے تھے۔ کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ قرآن میں ہے وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْماً وَّعُلُوّاً (نمل ۱) فرعون اور اس کی قوم نے موسیٰ کی نشانیوں کا ہٹ دھرمی اور سرکشی سے انکار کر دیا۔ حالانکہ ان کے دلوں کو یقین آ چکا تھا۔

س ۱۳: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَداً وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ ۔تعریف اللہ کے ہے جس کے کوئی اولاد نہیں۔ نہ ملک میں کوئی اس کا شریک ہے نہ وہ کمزور ہے کہ کوئی اس کا مددگار ہو۔ بالعموم قرآن میں اللہ کی حمد نعمتوں پر کی گئی ہے۔ اس سلبی صفات میں کون سی نعمتیں ہیں؟

ج: بڑی نعمتیں ہیں۔ اس لیے کہ (نعوذ باللہ) اگر اللہ کے اولاد ہوتی یا شریک ہوتے یا مددگار تو اس کی ساری نعمتیں وہی سمیٹ لیتے۔ برائے نام جو کچھ بچتا ہم کو ملتا۔ اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں سب کے حقدار ہم ہیں۔

Marfat.com

سورۂ کہف

س۱: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجاً قَيِّماً۔ اللہ کی تعریف جس نے اتاری اپنے بندے پر کتاب اور نہ رکھی اس میں کوئی کجی بالکل سیدھی۔ آخری دونوں فقرے ہم معنی ہیں۔ ایک کافی تھا۔ کس ضرورت سے دونوں لائے گئے؟

ج: قَیِّم کے معنی نگہبان کے بھی ہیں۔ یعنی اس کتاب میں کئی کجی نہیں ہے اور گذشتہ آسمانی کتابوں کی ابدی تعلیمات کی نگہبان ہے۔ سورہ مائدہ میں یہی مفہوم میھمن کے لفظ کے ساتھ ادا کیا گیا ہے۔

س۲: فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُر۔ جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر بنے۔ اس سے کفر کی اباحت نکلتی ہے۔

ج: یہ اسلوب بیان کفر کی اباحت کے لیے نہیں بلکہ شان بے نیازی کے اظہار کے لیے ہے کیونکہ اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ ظالموں کے لیے ہم نے جہنم تیار کر رکھا ہے۔

س۳: يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ۔ جنت میں ان کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ یہ چیز تو دنیا میں مردوں کے عیب شمار کی جاتی ہیں بلکہ جو لوگ ریشم اور حریر پہنتے ہیں وہ بھی اس کو نہیں استعمال کرتے۔

ج: جنت آیات متشابہات میں سے ہے۔ قرآن میں اس کی اکثر بیانات تشبیہی اور تمثیلی ہیں۔ چونکہ ایران کے بادشاہ اور شہزادے کنگن پہنتے تھے اور اس کا شاہانہ آرایش اور دولت و امارت کی نشانی سمجھتے تھے اس لیے اس کا ذکر جنت کی نعمتوں میں بھی کیا گیا ہے۔

س۶: وَحَشَرْنَا هُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَداً۔ ہم نے ان کو حشر میں جمع کیا اور ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا۔ یہاں ماضی کے صیغے کیوں لائے گئے۔ حشر تو مستقبل میں ہوگا۔

Marfat.com

ج: قرآن میں جنت، دوزخ اور حشر وغیرہ کے بیانات میں عام طور پر ماضی ہی کے صیغے مستعمل ہوئے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہ سب واقعات اللہ کے سامنے ہیں جو ماضی، حال اور مستقبل سب سے بَری ہیں۔ اس سے یہ بھی ظاہر کرنا مقصود ہے کہ آیندہ آنے والے واقعات مزعوم باتیں نہیں ہیں بلکہ موجود حقایق ہیں۔

س۸: نَسِيَا حُوۡتَهُمَا۔ حضرت موسیٰ اور ان کے شاگرد دونوں اپنی مچھلیوں کو بھول گئے۔ بھولے تھے صرف ان کے شاگرد۔ پھر نسیان دونوں کی طرف کیوں منسوب کیا گیا؟

ج: بول چال کا یہ اسلوب عام ہے۔ ایک بھولا دوسرے نے خیال نہیں کیا۔ اس وجہ سے وہ بھی اس کے ساتھ بھول میں شریک گردانا گیا۔

س: لیکن یہ کیسی بھول تھی کہ مچھلی جو ناشتے کے لیے تیار کی گئی تھی زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی اور یہ طرفہ ماجرا دیکھنے کے بعد بھی یوشع نے اس کو حضرت موسیٰ سے نہیں کہا؟

ج: بے شک کوئی شخص بھی ہوتا ایسی عجیب بات کو دیکھ کر چلا اٹھتا اور شور مچاتا۔ لیکن وہاں مشیت اپنا کام کر رہی تھی مچھلی کے واقعے سے جگہ متعین ہو گئی تھی۔ اب ضرورت تھی کہ یہ دونوں کچھ دیر کے لیے ہٹ جائیں تاکہ وہ صاحب علم لدنی یہاں آ کر متمکن ہو جائے اور واپسی پر ان کو مل جائے۔

س۱۰: يُرِيۡدُ اَنۡ يَّنۡقَضَّ۔ دیوار ارادہ کر رہی تھی کہ گرے۔ دیوار بے جان ہے اور ارادہ تو جاندار میں ہوتا ہے۔

ج: یہ معلوم ہے کہ ارادہ بے جان چیز میں نہیں ہوتا۔ اس لیے یہ لفظ حقیقی معنی میں نہیں لیا جائے گا۔ بلکہ لازمی مراد ہوگا۔ یعنی قرب کیونکہ ارادہ قریب ہوتا ہے عمل کے۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ دیوار گرنے کے قریب تھی۔

س: حضرت خضر نے حضرت موسیٰ کو کیوں پہلی اور دوسری بار ٹوکنے پر جدا نہیں کیا؟

ج: پہلی بار حضرت موسیٰ نے بھول کا عذر کیا۔ دوسری بار کہا کہ اگر اب ایسا ہوا تو جدا کر دینا۔ تیسری بار کوئی عذر نہ تھا اس لیے جدا کر دیے گئے۔

س: حضرت خضر کو لوگوں نے ولی قرار دیا ہے کیونکہ ان کی نبوت کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

Marfat.com

بعض صوفی حضرات نے تو اس سے یہ بھی نتیجہ نکال لیا کہ ولایت نبوت سے افضل ہے۔ اگرچہ ہر نبی ولی بھی ہوتا ہے۔

ج: نبوت اور ولایت کا ذکر تو الگ رہا۔ حضرت خضر کا انسان ہی ثابت کرنا مشکل ہے۔ قرآن سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فرشتے تھے۔ قرآن نے ان کا جو قصہ بیان کیا ہے اس سارے قصے میں صرف ایک اشارہ ان کی انسانیت کی طرف ہوسکتا ہے کہ انھوں نے حضرت موسیٰ کے ساتھ گاؤں والوں سے ضیافت طلب کی۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ اپنے رفیق حضرت موسیٰ کے لیے جو کھانے کے ضرورت مند تھے طلب میں شرکت کی ہو بخلاف اس کے ان کے فرشتہ ہونے کے اس قصے میں دو اشارے پائے جاتے ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ جو انھوں نے فرمایا اَرَدْنَا اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ ۔الآیہ۔ ہم نے ارادہ کیا کہ ان کو ان کا پروردگار بدلے میں اس سے اچھا بیٹا دے۔ اس ارادے کو اپنی طرف منسوب کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ عالم ملکوت کے کارکنوں میں سے تھے جو مشیت الٰہی کو کبھی اپنی طرف منسوب کرلیا کرتے ہیں۔ جیسے حضرت لوط سے فرشتوں نے کہا تھا کہ ہم نے طے کرلیا ہے کہ تیری بیوی ہلاک ہوگی۔ دوسرا یہ کہ آخر میں انھوں نے فرمایا مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِی ۔ میں نے اس کو اپنے حکم سے نہیں کیا ہے یہی فرشتوں کی خصوصیت ہے۔ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ۔ (تحریم ۱) وہی کرتے ہیں جو حکم پاتے ہیں۔

سورۂ مریم

س: یَرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۔ جو میرا وارث ہو اور آل یعقوب کا۔ حضرت ذکریا نے اللہ سے دعا مانگی کہ مجھے بیٹا عطا کر جو میرا وارث بنے۔ کیا انبیاء کی وراثت ہوتی ہے؟ روایات میں تو بیان کیا گیا ہے کہ انبیاء کی وراثت نہیں ہوتی۔ وہ جو کچھ چھوڑتے ہیں، صدقہ ہے۔

Marfat.com

ج: لیکن قرآن سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ یہاں حضرت ذکریا نے جو نبی تھے، اپنے لیے وارث کی دعا مانگی ہے اور سورہ نمل ۲ میں ہے وَوَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوٗدَ۔ سلیمان وارث ہوئے داؤد کے۔ یہ توجیہہ کہ سلیمان کو حکمت اور نبوت اپنے باپ سے وراثت میں ملی صحیح نہیں کیونکہ یہ چیزیں وراثت میں نہیں ملتیں۔ بلکہ وہی ہیں اللہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ وہ سلطنت تھی جن کو انھوں نے حضرت داؤد سے وراثت میں پایا تھا۔ انبیاء علیہم السلام کے متروکہ کے صدقہ ہونے کا کوئی اشارہ قرآن میں نہیں ملتا۔

س۲: وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا۔ تاکہ ہم عیسیٰ کو لوگوں کے لیے اپنی نشانی اور رحمت بنا دیں۔ خاتم النبین کو لوگ رحمۃ اللعالمین کہتے ہیں اس بنا پر کہ قرآن میں ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (انبیاء ۷) ہم نے تجھ کو رسول بنایا۔ دنیا والوں پر رحمت کر کے اللہ نے خود عیسیٰ کو رحمت بنایا اور خاتم النبین کو دنیا والوں پر رحمت کر کے رسول بنایا۔ دونوں رحمتوں میں مفعول بہ اور مفعول لہ کا فرق ہے۔

ج: ہر رسول کی رسالت من جانب اللہ انسانوں پر رحمت ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ مومنوں کے لیے نجات کا راستہ اور ہدایت لے کر آتے ہیں۔ اسی معنی میں حضرت عیسیٰ رحمت بنائے گئے تھے اور یہی غرض خاتم النبین کی رسالت سے بھی تھی۔ خاتم النبین کی رسالت چونکہ جملہ بنی نوع انسان کے لیے ہے۔ اس لیے سارے عالم کے لیے رحمت ہے اور حضرت عیسیٰ کی رسالت بنی اسرائیل کے لیے تھی۔ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ (عمران ۵) اس لیے صرف بنی اسرائیل کے لیے رحمت تھی۔

س۴: وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا۔ ہم نے اپنی رحمت سے اس کو بخشا۔ اس کے بھائی ہارون نبی کو۔ بیٹا یا بیٹی کے لے بخشنے کا لفظ بولا جاتا ہے مگر یہاں بھائی کے لیے مستعمل ہوا ہے؟

ج: حضرت موسیٰ نے دعا کی تھی کہ میری زبان نہیں چلتی۔ میری مدد کے لیے میرے

Marfat.com

بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے۔ اللہ نے ان کی دعا قبول فرما کر حضرت ہارون کو نبی بنایا۔ اسی کو بخشش سے تعبیر فرمایا ہے۔ یعنی موسیٰ نے مانگا اور ہم نے عطا فرمایا۔

سورۂ طٰہٰ

سؔ۱: وَمَا تِلْکَ بِیَمِیْنِکَ یَا مُوْسٰی۔ یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ اے موسیٰؑ! اللہ کو علم تھا وہ دیکھ رہا ہے۔ پھر یہ سوال کس غرض سے کیا؟

ج: حضرت موسیٰ کی رسالت کی کامیابی میں اس عصا سے بہت کام لیا جانے والا تھا۔ اس لیے اس کی بابت سلسلۂ کلام شروع کیا۔

س: حضرت موسیٰ نے اس ادب کے مقام پر مختصر جواب دینے کے بجائے کہ یہ میرا عصا ہے، کیا سوچ کر اس کے فائدے بھی گنا دیے؟

ج: ان کا یہ جواب بتوفیق الٰہی تھا کہ عصا کے وہ فائدے جو ان کے علم میں ہیں، بیان کر لیں تو ان کو اس کے اس عظیم الشان فائدہ کا علم دیا جائے تو اللہ نے اس میں رکھا ہے اور جس کو وہ نہیں جانتے اس کو اژدہا بنا کر دکھا دیا جو ان کو فرعونیوں پر غلبہ اور بنی اسرائیل کو نجات دلانے کے لیے معجزہ کبریٰ تھا۔

سؔ۴: لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی۔ جہنمی نہ اس میں مرے گا نہ جئے گا۔ ان دو حالتوں کے سوا تیسری حالت کون سی ہے؟

ج: یہ بلیغ جملہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ اس کو موت کا سکون نصیب ہوگا نہ زندگی کی لذت۔

سؔ۵: وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ۔ ہم آدم سے پہلے عہد لے چکے تھے پھر اس نے بھلا دیا۔ آدم نے بھول کر شجرہ ممنوعہ کو کھایا تو اس پر سزا کا کیوں مستحق ہوا کہ جنت سے نکال دیا گیا۔ بھول چوک تو معاف ہے۔

ج: یہاں نسی کے معنی اس بھول کے نہیں ہیں جو معاف ہے۔ شجر ممنوعہ کھانے سے پہلے آدم اور ابلیس میں چھی خاصی بحث رہی ہے۔ جس کے آخر میں ابلیس نے کہا

Marfat.com

مَا نَهٰکُمَا رَبُّکُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَا مَلَکَیْنِ اَوْ تَکُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِیْنَ (اعراف ۲) اللہ نے تم دونوں کو اس درخت سے صرف اس لیے روکا ہے کہ کہیں تم فرشتے یا جاودانی نہ بن جاؤ۔ اس لیے نسی کے معنی رَبَّهٗ فَغَوٰی آدم نے اپنے رَب کی نافرمانی کی۔ اس لیے راستے سے بھٹک گیا۔

سورہ انبیاء

س ۱: اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ ۔ لوگوں کے لیے ان کا حساب قریب آ گیا۔ اس آیت کو اترے ہوئے صدیاں گذر گئیں مگر حساب کا وقت ابھی تک نہیں آیا۔

ج: یہ قرب اللہ کے نزدیک ہے۔ اِنَّهُمْ یَرَوْنَهٗ بَعِیْدًا وَّنَرٰهُ قَرِیْبًا ۔ (معارج ۱) لوگ اس کو دور سمجھتے ہیں اور ہم اس کو قریب سمجھتے ہیں۔ قرآن کی متعدد آیات سے واضح ہوتا ہے کہ زمانے کا امتداد محض خیال ہے۔ کَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَهَا لَمْ یَلْبَثُوْا اِلَّا عَشِیَّةً اَوْ ضُحٰهَا (والنازعات) جس دن لوگ قیامت کو دیکھیں گے ان کو ایسا لگے گا کہ ایک شام یا ایک صبح سے زیادہ نہیں رہے۔

س ۱۰: فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ اگر تم نہیں جانتے تو اہل کتاب سے پوچھ دیکھو۔ مگر مشرکین اہل کتاب کو کب مانتے تھے۔ ان کا قول تھا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ (سبا ۴) ہم ہرگز اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے، نہ اس سے پہلی کتابوں پر۔ پھر وہ اہلِ کتاب سے کیوں سوال کریں گے؟

ج: مشرکین ان کتابوں کو نہیں مانتے تھے، مگر جانتے تھے کہ اہل کتاب آسمانی رکھنے کے دعوے دار ہیں اور مسلمانوں کے مقابل میں ان کی جانب داری بھی کرتے ہیں۔ اسی لیے کہا گیا کہ ان سے پوچھو وہ رسولوں کی کیفیت تم سے بیان کریں گے۔

س ۳: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْئٍ حَیٍّ ۔ ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنایا۔ ملائکہ اور جن کہاں پانی سے بنائے گئے ہیں؟

Marfat.com

ج: یہاں ان جانداروں کا بیان ہے جو زمین میں ہیں۔ اس کی تفسیر دوسری جگہ ہے وَاللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ مِّنْ مَّآءٍ (نور٦) اللہ نے ہر جاندار کو جو زمین پر چلتا ہے، پانی سے بنایا۔

س۴: کُلٌّ فِی فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ۔ ہر ایک سورج اور چاند۔ ایک ایک دائرہ میں گھوم رہے ہیں۔ قرآن کے ان الفاظ سے بعض لوگوں نے دلیل پکڑی ہے کہ ان کی گردش دوری ہے۔

ج: ہاں یہ لطیفہ ہے نہ دلیل یعنی فِی فَلَکٍ کو الٹ کر پڑھو تو یہی ہوتا ہے۔ اس سے حرکت دوری نکالتے ہیں کہ پہیے کی طرح وہ چکر کاٹتے ہوئے پھرتے ہیں۔ ایسی ہی ایک صنعت تقلیب سورہ مدثر میں بھی ہے۔ رَبَّکَ فَکَبِّرْ ''اپنے رَب کی بڑائی کر''۔ اس کو الٹ کر پڑھو تو وہی عبارت ہوتی ہے۔ اس سے بھی یہ لطیفہ نکالا جاسکتا ہے کہ تو رَب کی بڑائی کر (رَب تجھ کو بڑا بنا دے گا۔)

س۵: بَلْ فَعَلَہٗ کَبِیْرُھُمْ ھٰذَا۔ بلکہ یہ اس بڑے بت نے کیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے بتوں کو خود توڑا تھا پھر یہ کیسے فرمایا کہ بڑے بت نے توڑا ہے؟

ج: معارضہ کے طور پر مشرکوں کو ساکت کرنے کے لیے۔ اسی لیے یہ شرط بھی لگائی گئی کہ اگر یہ بول سکتے ہوں تو ان سے پوچھو۔

س٦: وَحَرَامٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ۔ حرام ہے اس بستی پر جس کو ہم نے ہلاک کر دیا کہ واپس نہیں لوٹیں گے۔ واپس نہ لوٹنا حرام ہوا تو واپس لوٹنا واجب ہوا۔

ج: حرام کے معنی مقرر اور طے کر دینے کے ہیں۔ پہلے بھی یہ لفظ آچکا ہے۔ قُلْ تَعَالَوْ اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّکُمْ عَلَیْکُمْ (انعام،١٩) ''آؤ میں تم کو سناؤں جو تمھارے رَب نے تم پر مقرر کیا ہے۔'' اس کے نیچے دس احکام ہیں جن میں سے پانچ حرام ہیں اور پانچ واجب۔ اس لیے حرم کے معنی سوائے مقرر کر دینے کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتے۔ نہ یہاں نہ وہاں۔

Marfat.com

س: اَذَا فُتِحَتْ یَأْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ ۔جب کھول دیے جائیں گے یاجوج ماجوج الآیہ۔ان کا یہاں ذکر آیا ہے اور سورۂ کہف میں بھی۔کیا یہی دجال تو نہیں جس کا ذکر روایات میں ہے؟

ج: قرآن کے بیان کے مطابق یاجوج اور ماجوج دو انسانی قومیں ہیں، جن کا کام روئے زمین میں فساد اور غارت گری ہے۔اور دجال روایات میں ایک فرد دکھایا گیا ہے۔لہٰذا یاجوج و ماجوج دجال کیسے ہو سکتے ہیں۔قرآن میں دجال کا کوئی ذکر اشارۃً بھی نہیں ہے۔

سؔ: اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰىۤ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۔جن کے لیے ہم نے پہلے بھلائی لکھ دی ہے وہ جہنم سے دور کر دیے جائیں گے۔دوسری جگہ فرمایا ہے وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا۔(مریم ۵) اور تم میں سے کوئی نہیں جو جہنم پر نہ اترے یہ تیرے رَب کا قطعی فیصلہ ہے۔دونوں میں بظاہر تعارض کا خیال ہوتا ہے؟

ج: جہنم پر سب کا وارد ہونا لازمی ہے۔اس کے بعد دور کر دیے جائیں گے جس کے لیے یہاں مبعدون کا لفظ ہے اور سورہ مریم میں ہے ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوا۔پھر ہم متقیوں کو نکال دیں گے۔

سؔ: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۔ہم نے تجھ کو رسول بنایا رحمت کر کے سب جہان والوں پر۔کیا خاتم النبین کافروں کے لیے بھی رحمت تھے؟

ج: اس لحاظ سے کہ ہدایت عامہ لائے۔سب کے لیے رحمت ہیں۔لیکن اصلی رحمت انھیں لوگوں کے لیے ہیں جو ایمان لائے۔ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۔(توبہ۔۸) وہ رحمت ہی تم لوگوں میں سے ان کے حق میں جو ایمان لائے۔

سورۂ حج

س: یوم ترونها ۔جس دن تم قیامت کے زلزلے دیکھو گے۔یہ جمع کا صیغہ ہے۔پھر

Marfat.com

اس کے آگے مفرد کا صیغہ کیوں ہے؟ وَتَرَى النَّاسَ سُكَارٰى تو دیکھے گا لوگوں کو مدہوش۔

ج: قیامت کا آغاز زلزلے سے ہے۔ جس کو سب دیکھیں گے اور لوگوں کو مدہوش تو وہی دیکھے گا جو خود ہوش میں ہوگا۔

س۶: وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوٰتٌ وَمَسٰجِدُ ۔ اللہ اگر نہ ہٹایا کرتا لوگوں کو ایک دوسرے کے باہمی مقابلوں کے ذریعے سے تو ڈھا دیے جاتے تکیئے، کنیسے، خانقاہیں اور مسجدیں۔ عیسائیوں کے کنیسے اور یہود کی خانقاہیں بچانے کا فائدہ مسلمانوں کے لیے ہے۔

ج: یہاں سنت الٰہی بیان کی گئی ہے کہ انسانوں میں باہمی لڑائیاں دنیا کی بہتری کے لیے مقدر ہوئی ہیں۔ دوسری جگہ ہے وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۔ (بقرہ ۳۳) اگر اللہ نہ ہٹاتا لوگوں کو ایک دوسرے کے باہمی مقابلہ کے ذریعے سے دنیا بگڑ جاتی لیکن اللہ دنیا والوں پر احسان کرتا ہے۔

س۶: وَكُذِّبَ مُوْسٰى ۔ موسیٰ جھٹلائے گئے۔ اوپر جتنے رسول مذکور ہوئے ان کی بابت فرمایا کہ ان کی قوموں نے ان کو جھٹلایا۔ لیکن حضرت موسیٰ کے متعلق مجہول کا صیغہ لایا گیا۔ اس فرق کی کیا وجہ ہے؟

ج: دیگر انبیاء کی تکذیب خود ان کی قوموں نے کی تھی مگر حضرت موسیٰ کو ان کی قوم نے نہیں بلکہ فرعونیوں نے جھٹلایا تھا۔

س۷: وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰى اَلْقَى الشَّيْطَانُ فِىْ اُمْنِيَّتِهٖ ۔ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۔ جو رسول یا نبی ہم نے تجھ سے پہلے بھیجا اس نے جب تلاوت کی شیطان نے اس کی تلاوت میں ملاوٹ کر دی۔ اللہ شیطان کی ملاوٹ کو

Marfat.com

نکال کر اپنی آیتوں کو پختہ کر دیتا ہے۔ یہاں تمنے کے معنی عام طور پر مفسروں نے آرزو کرنے کے لکھے ہیں جس سے آیت کا مطلب خبط ہو جاتا ہے۔

ج: شیطان سے یہاں مراد ہے کذابین جن کی تفصیل سورۂ انعام میں ہم لکھ چکے ہیں۔ یہ کذ ازبین رسول یا نبی پر اتری ہوئی آیتوں میں اپنی طرف سے الحاق یا اضافے کر کے ان کے معانی کو بدلنے کی کوشش کرتے تھے۔ اللہ نے اس کی ذمہ داری لی کہ ان کی بڑھتی ہوئی باتوں کو نکال کر ہم اپنی آیتوں کو مستحکم کر دیں گے۔

رسول کی آرزو میں یہ شیاطین کیا ملاوٹ کر سکتے اور پھر آرزو کی ملاوٹ دور کرنے سے تو آرزو ہی پاک ہو سکتی ہے۔ آیتیں کیسے پاک اور پختہ ہوں گی۔ اس۔ لیے یہاں تمنےٰ کے معنی سوائے تلاوت کے اور کچھ نہیں ہو سکتے [1]

قرآن کریم کی آیات میں بھی کذابوں نے اپنے الفاظ ڈالنے کی کوششیں کیں لیکن اللہ نے اپنی کتاب بلکہ اس کے ہر لفظ کو اپنی جگہ پر بین الدفتین ایسا محفوظ کر دیا کہ سارے عالم میں بلا اختلافات ایک حرکت یا ایک نقطہ کے وہ پڑھا جاتا ہے [2]

---

[1] تمنےٰ کے لغوی معنے آرزو کے ہیں لیکن یہ تلاوت کے لئے بھی مستعمل ہے۔ علامہ بیضاوی نے سورہ بقرہ میں امانی کے معنے تلاوت کے لکھے ہیں اور سند میں حضرت حسان بن ثابتؓ کا ایک شعر بھی نقل کیا ہے جو انھوں نے حضرت عثمان کے مرثیہ میں لکھا ہے۔

تمنے کتاب اللہ اول لیلہ و آخرہ لاتی حمام المقادر

آغاز شب میں انھوں نے کتاب اللہ کی تلاوت کی اور آخر شب میں اپنی تقدیری موت سے جا ملے۔

[2] یورپین مستشرقین نے مشہور جرمن مستشرق نولدیکی کے زمانہ سے قرآن کے مقابلہ میں ایک محاذ قائم کر رکھا ہے ان کی مسلسل کوشش یہی ہے کہ کسی صورت سے رخنہ اس میں پیدا کریں۔ اختلافات قرأت کی روایتیں ڈھونڈھ ڈھونڈ کر لاتے ہیں اور ان پر تاریخی بحثیں کرتے ہیں اس قسم کی روایتوں کا ایک مجموعہ "کتاب المصاحف" کو مؤلفہ حافظ ابوبکر عبداللہ بحستانی متوفی ۳۱۶ھ کو دستیاب ہوا۔ یہ حافظ ابوبکر صاحب سنن امام ابو داؤد کے بیٹے ہیں۔ اس کو ایک انگریز مستشرق ڈاکٹر آرتھر جیفری نے نہایت اہتمام کے ساتھ مع انگریزی ترجمہ و حواشی وغیرہ کے لیڈن سے ۱۹۳۷ء میں شائع کیا ہے تاکہ قرآن کے مقابلہ میں بطور آلہ حرب استعمال کریں۔ اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس کے انسانوں کی ہدایت کے لیے قرآن کو اتارا! اور پھر ہزار ہزار شکر کہ اس نے اس کی حفاظت کی خود ذمے داری لے لی ورنہ دوسری آسمانی کتابوں کی طرح یہ بھی کبھی کا خود مسلمانوں کے ہاتھوں محرف و مبدل ہو چکا ہوتا۔

Marfat.com

س: مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْرَاهِیْم ۔ یہ دین ہے تمھارے باپ ابراہیم کا۔ حضرت ابراہیم ساری امت کے باپ تو نہ تھے۔

ج: لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ تو تھے جو امت کے رسول اور باپ سے بھی بڑھ کر ہیں اور ان کی ازدواج مطہرات امہارت المومنین ہیں۔

س۱: هُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِی هٰذَا ۔ اس نے تمھارا نام مسلمان رکھا۔ پہلے سے بھی اور اس قرآن میں بھی۔ بہت سے مفسروں نے ھو کی ضمیر کا مرجع حضرت ابراہیم کو قرار دیا ہے۔

ج: اس آیت سے پہلے ہے ھوا جتبٰکم ۔ اللہ نے تم کو منتخب فرمایا۔ اس لیے عربیت کے اصول کے مطابق دوسرے ہو کا مرجع بھی اللہ ہی ہے۔

س: بعض مسلم جماعتیں اپنے آپ کو مسلم کے بجائے مومن کیوں کہتی ہیں؟

ج: مسلم اور مومن میں ظاہر اور باطن کا فرق ہے۔ قرآن میں ہے قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُو وَلٰکِنْ قُوْلُوا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُم (حجرات ۔۲) بدوؤں نے کہا ہم ایمان لائے ۔ ان سے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے ۔ ہاں یہ کہو کہ ہم اسلام لائے ۔ ایمان تو تمھارے دلوں میں ابھی داخل نہیں ہوا ہے۔ وہ گویا دعویٰ کرتا ہے کہ ایمان اس کے دل میں داخل ہو چکا ہے اور یہ اپنی پاکیزگی جتاتا ہے جس کو قرآن نے منع فرمایا ہے۔ فلا تزلو النفسکم (نجم ۔۲) اپنے نفس کی پاکیزگی نہ جتاؤ۔ بخلاف اس کے مسلم کا اطلاق ظاہری اعمال پر ہوتا ہے۔ جن کو سب دیکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح دیگر مذہبی امتیازات کو اپنے ناموں کے ساتھ لوگ لگاتے ہیں وہ بھی جائز نہ ہوں گے۔ کیونکہ اس سے ملت کی وحدت کا شیرازہ ٹوٹتا ہے۔

سورۂ مومنون

س۱: ثُمَّ اِنَّکُمْ بَعْدَ ذَالِکَ لَمَیِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۔

Marfat.com

پھر تم اس کے بعد ضرور مرو گے۔ پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔ کیا قبر میں زندہ کر کے سوال و جواب نہیں ہو گا؟

ج: ہوتا تو اس کا ذکر ہوتا۔ سارے قرآن میں کہیں قبر کی زندگی اور برزخ کے عذاب و ثواب کا ذکر نہیں ہے۔ جن لوگوں نے آیات سے اس کو نکالنے کی کوشش کی ہے، محض روایات کی حمایت کی ہے اور کچھ نہیں۔

س۶: رَبِّ ارْجِعُوْنِ۔ اے میرے رب! مجھے واپس کر دیجیے۔ مخاطب واحد ہے اور صیغہ جمع کا ہے۔

ج: گنہ گار مرنے والے پر موت کے وقت جو مصیبت اور پریشانی ہوتی ہے، اس کو دکھلانے کے لیے کہ وہ مخاطب کرتا ہے اپنے رب کو اور کہنے لگتا ہے موت کے فرشتے سے۔

س۶: فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَا اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَائَلُوْن۔ جب صور پھونک دیا جائے گا اس دن ان میں باہم کسی قسم کا رشتہ نہ ہو گا اور نہ ایک دوسرے سے سوال و جواب کریں گے اور سورہ طور میں ہے وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَائَلُوْن۔ وہ ایک دوسرے کی طرف رُخ کر کے آپس میں پوچھ گچھ کریں گے۔

ج: صور پھونکا جائے گا قیامت کے وقت۔ اور سورہ طور میں جن کا ذکر ہے وہ جنت میں پہنچ چکے ہیں۔ غرض حشر میں مقامات مختلف ہیں اور حالات بھی مختلف ہیں۔ ان میں باہم تعارض نہیں ہے۔

سورۂ نور

س۵: اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الآیہ) اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ہے جیسے طاق میں چراغ۔ چراغ شیشے میں۔ شیشہ گویا سپید تارا۔ تیل جلتا ہے اس میں زیتون کے مبارک درخت کا جو نہ مشرقی ہے نہ مغربی۔

Marfat.com

جس کا تیل بے لو لگائے چمک دے رہا ہے۔ روشنی پر روشنی۔ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ اللہ لوگوں کے لیے مثال بیان کرتا ہے۔[۱] اس کو ہر شئے کا علم ہے۔ (طاق) ان گھروں (مسجدوں) میں جن کو بلند کرنے کی اللہ نے اجازت دی ہے اور جن میں اس کا نام لیا جاتا ہے یہاں بعض مفسروں نے نور کا معنی منور یعنی روشن گر قرار دیا ہے۔

ج: جن لوگوں نے نور کے معنی منور کے لیے ہیں ان کو غلط فہمی یہ ہوئی کہ انھوں نے نور سے وہ روشنی سمجھی جو زمین و آسمان میں آنکھوں کو نظر آتی ہے اور وہ نور قرآن میں مخلوق کہا گیا ہے۔ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّور (انعام ۱) اللہ نے بنایا تاریکیوں اور روشنی کو۔ اس لیے مجبوراً ان کو نور کا مفہوم منور قرار دینا پڑا۔ حالانکہ نور حقیقت مراد ہے۔

س: نور کی مثال سورج سے کیوں نہ دی گئی۔ وہ تو چراغ سے بہت زیادہ روشن ہے؟

ج: گھر میں طاق، طاق میں شیشہ اور شیشے میں چراغ۔ یہاں سورج کی کہاں گنجایش۔ پھر یہ نور توفیق الٰہی۔ بندے کے ایمان اور عمل صالح سے ملتا ہے، جس طرح چراغ کی روشنی آگ کی لو۔ تیل اور بتی سے حاصل ہوتی ہے اس لیے دونوں میں مماثلت زیادہ ہے۔

سورۂ فرقان

س۵: وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوراً لِنُحْيِ بِهِ بَلْدَةً مَّيْتاً۔ ہم نے بادل سے پاک پانی برسایا کہ اس سے مردہ زمین کو زندہ کریں۔ یہاں بلدۃً مونث ہے۔ اس کی صفت میتا کو بھی قاعدہ سے مونث ہونا چاہیے۔

۱۔ اس مثال کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ مسجد سے مراد ہے دین۔ طاق سے مومن۔ شیشہ سے اس کا آئینہ دل۔ چراغ سے ایمان اور مبارک زیتون کے تیل سے وہ ہدایت جو کلامِ الٰہی سے حاصل ہوتی ہے جو نہ شرقی ہے نہ غربی۔

Marfat.com

ج: اصول لسانی یعنی صرف ونحو وغیرہ کے قاعدے علمائے ادب میں بیشتر قرآن ہی سے اخذ کر کے بنائے ہیں لہٰذا وہ قواعد قرآن کی عبارت پر حاکم نہیں ہو سکتے قرآن میں ایسی مثالیں متعدد ہیں۔ اسی سورہ کے آخر میں ہے وَجَعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَاماً نحو کا تقاضا ہے کہ امام کی جگہ ائمہ ہو۔ سورہ طٰہٰ کے پہلے رکوع میں ہے وَلِيَ فِيْهَا مَآرِبُ اُخْرٰى مآرب موصوف جمع ہے اور آخری اس کی صفت مفرد۔ سورہ نساء کے رکوع ۲۲ میں ہے وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ قاعدہ یہاں المقیمون کا مقتضی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کا جواب یہ ہے کہ جو قواعد مرتب کیے گئے وہ اس قدر کلی نہیں ہیں کہ ان سے کوئی مستثنیٰ نہ ہو۔

س۶: مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَاُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنَاتٍ۔ جس نے توبہ کر لی اور ایمان لایا اور نیک کام کیے اللہ اس کو برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دیتا ہے۔ سورہ ہود کے دسویں رکوع میں ہے اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ۔ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہاں ہے کہ ان کی برائیاں بھلائیوں سے بدل جاتی ہیں۔ دونوں میں فرق ہے۔

ج: سورہ ھود میں صرف عمل صالح کا نتیجہ بیان کیا گیا ہے۔ اور یہاں ایمان اور عمل صالح دونوں کا۔

سورۂ شعرا

س۴: نَقُوْلَا اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ کہنا کہ ہم اللہ کے رسول ہیں۔ سورہ طٰہٰ کے دوسرے رکوع میں ہے نَقُوْلَا اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ۔ کیونکہ ایک جگہ رسول کا لفظ مفرد ہے اور ایک جگہ تثنیہ اور حکایت دونوں جگہ ایک ہی ہے؟

ج: حضرت موسیٰ اور ہارون تعداد کے لحاظ سے دو تھے اور رسالت کے لحاظ سے ایک۔ اس لیے مفرد اور تثنیہ دونوں ضمیریں ان کے لیے لائی جا سکتی ہیں۔

س: بجز ان شاعروں کے جو ایمان لائے اور جنھوں نے اچھے کام کیے تمام شاعر

Marfat.com

جھوٹے قرار دیے گئے، مگر ان کے لیے کوئی سزا نہیں مقرر کی گئی۔

ج: سزا جرم پر ہوتی ہے۔ نفس شاعری خواہ نظم میں ہو یا نثر میں، جرم نہیں ہے گناہ ہے۔ اس لیے جب تک جرم کی حد تک نہ پہنچے دنیاوی سزا نہیں دی جائے گی۔ آخرت میں جو انجام ہوگا وہ بتا دیا ہے کہ جلد ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کروٹ گرتے ہیں۔

سورۂ نمل

س۱: بُورِكَ مَنْ فِى النَّارِ۔ برکت والا ہے جو آگ میں ہے۔ یہ آگ کیسی تھی اور آگ میں کون تھا؟

ج: حضرت موسیٰؑ کو آگ نظر پڑی تھی اور اسی کے لینے کو چلے تھے۔ اس لیے آواز دینے والے نے وہی لفظ کہا، ورنہ وہ تو نورانی جلوہ تھا۔

س۱: لَا يَخَافُ لَدَىَّ الْمُرْسَلُوْنَ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ۔ اللہ نے فرمایا ''میرے رسول نہیں ڈرتے مگر وہ جنھوں نے گناہ کیا۔'' کیا رسول بھی گناہ کرتے ہیں؟

ج: کیوں نہیں۔ بعض رسولوں سے ایسی باتیں ہوئیں جن پر ان کو عتوب کیا گیا۔ ان سے خفیف سی بھی غلطی ہو جاتی ہے تو بہت زیادہ ڈرتے ہیں۔

س۲: عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْئٍ۔ ہم کو طیر کی بولی سکھائی گئی اور ہم کو ہر چیز دی گئی۔ حضرت سلیمان نبی تھے مگر ان کا یہ کلام تو شاہانہ انداز کا ہے۔

ج: یہ جمع کا صیغہ عظمت کے اظہار کے لیے انھوں نے استعمال نہیں کیا بلکہ اس سے مراد ہے اپنی اور اپنے باپ کی ذات۔

س: خط میں حضرت سلیمان نے پہلے اپنا نام اس کے بعد اللہ کا نام لکھا۔ اس کی مصلحت کسی نے بیان نہیں کی؟

ج: ان کو معلوم تھا کہ بلقیس اور اس کے امراء نہ اللہ کو جانتے ہیں نہ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس لیے اس سے نہیں ڈریں گے۔ مگر میرے نام اور میری قوم سے واقف

Marfat.com

ہیں۔لہٰذا ڈر کر حاضر ہو جائیں گے۔

س۵: لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہ۔ جو لوگ آسمان اور زمین میں ہیں وہ غیب نہیں جانتے۔ بجز اللہ کے ہم کو تو جنت، دوزخ، حشر نشر وغیرہ کا علم ہے۔

ج: ان کے متعلق ہم اسی قدر جانتے ہیں جس قدر ہم کو بتایا گیا ہے۔ اس پر غیب کی تعریف صادق نہیں آتی۔

س۶: وَکُلٌّ اَتَوْہُ دَاخِرِیْنَ۔ قیامت کے دن سب اللہ کے سامنے آئیں گے، عاجزی کے ساتھ۔ نبی ور صدیق وغیرہ تو اس دن بھی معزز اور مکرم ہوں گے۔

ج: یہاں مراد ہے عجز بندگی۔ جس سے کسی کی عزت کم نہیں ہوتی بلکہ بڑھتی ہے۔

سورۂ قصص

س۱: وَاَوْحَیْنَا اِلٰی اُمِّ مُوْسٰی اَنْ اَرْضِعِیْہِ۔ موسیٰ کی ماں کو نے وحی کی کہ اس کو دودھ پلا۔ بلا وحی کے بھی وہ دودھ پلاتیں کیونکہ ماں تھیں جس کا فطری وظیفہ یہ ہے کہ اپنے بچے کو دودھ پلائے۔

ج: مقصود اس وحی سے دراصل اس کے بعد کا جملہ ہے۔ یعنی جب تجھے اس بچے کے قتل کا خوف ہو تو اس کو سمندر میں ڈال دے اور اس کے ڈوبنے کا خوف نہ کر اور جب تک یہ وقت نہ آئے اپنا مادری فریضہ دودھ پلانے کا ادا کرتی رہ۔

س۲: قَالَ ھٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ۔ حضرت موسیٰ نے قبطی کو مار ڈالنے کے بعد کہا یہ شیطان کا کام ہے۔ مگر شیطان کو اللہ کے نیک بندوں پر تسلط نہیں ہے۔ اِنَّہٗ لَیْسَ لَہٗ سُلْطَانٌ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ۔ (نحل ۱۳) شیطان کا کوئی زور ان لوگوں پر نہیں ہے جو ایمان لائے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ان آیتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے؟

ج: سورہ نحل کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کا کوئی تسلط مؤمنوں پر نہیں رہ سکتا۔ اِنَّ

Marfat.com

اَلَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّھُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَکَّرُوۡا فَاِذَا ھُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ۔ (اعراف ۲۲) جو متقی ہیں ان پر جہاں شیطان کا پھیرا ہوا چونک پڑے اور ان کی آنکھیں کھل گئیں۔

س۳: اِنَّ اَبِیۡ یَدۡعُوۡكَ لِیَجۡزِیَکَ اَجۡرَ مَا سَقَیۡتَ لَنَا۔ میرے ابا تم کو بلا رہے ہیں کہ ہمارے جانوروں کو جو تم نے پانی پلایا ہے، اس کی مزدوری تم کو دیں۔ حضرت موسیٰ نے یہ کام مزدوری کے لیے نہیں کیا تھا پھر کیوں گئے؟

ج: حضرت موسیٰ ان لڑکیوں کے جانوروں کو پانی پلا کر جب درخت کے سایے میں آکر بیٹھے اس وقت انھوں نے یہ دعا کی رَبِّ اِنِّیۡ لِمَآ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ۔ (اے پروردگار! جو بھلائی بھی تو میرے لیے اتار دے میں اس کا محتاج ہوں۔) وہ سمجھتے تھے کہ یہ بلاوا اسی دعا کا نتیجہ ہے اور تقدیر الٰہی اپنا کام کر رہی ہے۔ رہی اجرت تو وہ فطرتی چیز ہے جس میں مطلقاً کوئی عیب نہیں۔ خود حضرت موسیٰ نے خضر سے کہا تھا کہ تم چاہتے تو دیوار کی مرمت کی اجرت لے سکتے تھے۔

س: وَاضۡمُمۡ اِلَیۡکَ جَنَاحَکَ مِنَ الرَّھۡبِ۔ دبا لے اپنی طرف اپنے ہاتھ کو ڈر سے۔ اس سے کیا مقصد تھا؟

ج: حضرت موسیٰ اپنے عصا کو سانپ کی شکل میں دیکھ کر ڈر گئے اور پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ اس کا علاج بتایا گیا کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے سینے کو دبا لو۔ مِنَ الرَّھۡبِ کا لفظ حکم کی علت کو ظاہر کرتا ہے۔ یعنی ڈر دور کرنے کے لیے ان کو حکم دیا گیا۔ دوسرا فائدہ اس کا وہ ہے جو سورہ طٰہٰ کی رکوع ۱ میں بیان کیا گیا ہے وَاضۡمُمۡ یَدَكَ اِلٰی جَنَاحِکَ تَخۡرُجۡ بَیۡضَآءَ اپنے ہاتھ کو اپنے سینے سے دبا۔ چمکتا ہوا نکلے گا۔ یہاں اس کی تشریح ان لفظوں میں ہے اسلک یدک فی جیبک تخرج بیضا۔ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال چمکتا ہوا نکلے گا۔

س۹: وَمَا کُنۡتَ بِجَانِبِ الۡغَرۡبِیِّ اِذۡ قَضَیۡنَآ اِلٰی مُوۡسَی الۡاَمۡرَ وَمَا کُنۡتَ مِنَ الشّٰھِدِیۡنَ۔ نہ تھا تو مغربی جانب جبکہ ہم نے موسیٰ کو رسالت عطا

Marfat.com

کی۔ اور نہ تھا تو حاضر۔ پہلے جملے کے بعد دوسرے جملے کی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی۔

ج: آگے کی آیت سے اس کا اشارہ ملتا ہے کہ یہ دونوں جملے دو واقعوں سے متعلق ہیں۔ یعنی موسیٰ کو جب ہم نے رسالت عطا کی اس وقت تم کوہ طور کے مغربی جانب موجود نہ تھے اور مدین میں جو کچھ ہوا تھا وہاں بھی تم حاضر نہ تھے۔ ان سب کا علم تم کو بذریعے وحی کے دیا جا رہا ہے۔ ایسا ہی حضرت مریم، نوح اور یوسف کے قصوں میں کہا ہے۔ تِلْکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَا اِلَیْکَ۔ الآیہ۔

س۵: وَمَا کُنْتَ تَرْجُوْ اَنْ یُّلْقٰۤی اِلَیْکَ الْکِتَابَ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّکَ۔ تو یہ امید نہیں رکھتا تھا کہ تیرے اوپر کتاب اتاری جائے گی۔ مگر اللہ کی مہربانی۔ یہ استثنا کیسا ہے؟

ج: استثنا منقطع ہے۔ یعنی تو کتاب کی امید نہیں رکھتا تھا اس لیے تجھ کر خبر ہی نہ تھی کہ کتاب کیا ہوتی ہے۔ مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتَابُ وَلَا الْاِیْمَان (شوریٰ ۵) تو جانتا نہ تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔ یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ اس نے یہ چیز تجھ کو عطا فرمائی۔

سورۂ عنکبوت

س۱: وَمَا هُمْ بِحَامِلِیْنَ مِنْ خَطَایَاهُمْ مِّنْ شَیْئٍ۔ وہ کچھ بھی ان کے گناہ نہیں اٹھائیں گے۔ اس سے آگے کی آیت ہے وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ۔ وہ ضرور اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور ان کے ساتھ اور بھی بوجھ۔ یعنی اوروں کے گناہوں کے بوجھ بھی اٹھائیں گے۔

ج: وہ مومنوں کے گناہوں کے بوجھ نہیں اٹھائیں گے۔ ہاں جن کو گمراہ کیا ہے ان کے گناہوں کا بوجھ ضرور ان پر پڑے گا کیونکہ وہ ان کی گمراہی کا سبب بنے ہیں۔ لہٰذا وہ بھی انھیں کے گناہوں کا بوجھ ہوگا۔

Marfat.com

س: وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِيْنَ ۔ وہ دیدہ ورلوگ تھے۔ عاد وثمود کے سرغنوں کی عقل وفہم کی مدح کی گئی ہے۔ حالانکہ سخت گمراہ تھے۔

ج: ان کی دنیاوی عقل وفہم تھی۔ اس کا ذکر اس وجہ سے فرمایا ہے کہ مومنوں کو دنیاداروں کی عقل وفہم دیکھ کر اپنے ایمان میں شک نہ پیدا ہو۔

س: اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۔ سب سے کمزور گھر مکڑی کا گھر ہے۔ کاش وہ جانتے۔ کون نہیں جانتا کہ مکڑی کا گھر سب سے کمزور گھر ہے۔

ج: يَعْلَمُوْنَ کا مفعول پہلا فقرہ ہے یعنی کاش وہ جانتے کہ ماسوا کو مولیٰ بنانا مکڑی کے گھر کی طرح بے بنیاد ہے۔

س: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۔ جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کریں گے ان کو ہم اپنے راستوں کی ہدایت دیں گے۔ جہاد کی نوبت تو ہدایت کے بعد آتی ہے۔

ج: پہلے گذر چکا ہے کہ ہدایت کے کئی درجے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان اللہ کی راہ کی طرف رُخ کرے۔ دوسرا یہ کہ اس پر چلنے لگے۔ تیسرا یہ کہ منزل پر پہنچ جائے۔ یہاں قلب کی ہدایت مقصود ہے جو ایمان کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ (تغابن۲) جو اللہ پر ایمان لاتا ہے اللہ اس کے دل کو ہدایت عطا فرماتا ہے۔

سورۂ روم

س: وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ تم مشرک نہ بنو، مسلمان تو موحد ہوتا ہے۔ پھر یہ نہی کیسی؟

ج: اس کی تفسیر اس کے آگے کے جملے میں ہے مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۔ یعنی ان لوگوں میں

Marfat.com

سے نہ بنو جو جنھوں نے اپنے دین میں تفریق ڈالی اور ٹولی ٹولی ہو گئے۔ ہر ٹولی اس میں مگن ہے جو اس کے پاس ہے۔ یہ فرقہ بندی شخصیت پرستی سے پیدا ہوتی ہے۔ پھر توحید کہاں رہی۔ اللہ اپنے رسول سے کہتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوا دِیْنَهُمْ وَکَانُوا شِیَعاً لَّسْتَ مِنْهُمْ فِی شَیْئٍ۔ (انعام ۲۰) جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور گروہ گروہ ہو گئے تیرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

س٦: لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِی کِتَابِ اللّٰہِ اِلیٰ یَوْمِ الْبَعْثِ۔ تم رہے اللہ کے نوشتہ میں قیامت تک۔ مردے تو قبر میں رہتے ہیں۔

ج: مردوں کے جسم قبر میں ہوتا ہے جو مٹی میں مل جاتا ہے اور ان کی ذات اللہ کے نوشتہ میں اِنَّ کِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِیْ سِجِّیْنٍ وَمَا اَدْرَاکَ مَا سِجِّیْنٌ کِتَابٌ مَّرْقُوم۔ (مطففین) گنہ گار سجین میں لکھے جاتے ہیں۔ تجھے کیا خبر کہ سجین کیا ہے؟ ایک لکھی ہوئی کتاب۔ پھر اس کے آگے ہے۔ اِنَّ کِتَابَ الْاَبْرَارِ لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ وَمَا اَدْرَاکَ مَا عِلِّیُّوْنَ کِتَابٌ مَّرْقُوْم۔ نیکوکار علیین میں لکھے جاتے ہیں۔ تجھے کیا خبر کہ علییون کیا ہے؟ ایک لکھی ہوئی کتاب۔ فرعون نے حضرت موسیٰ سے سوال کیا تھا وما بال القرون الاولیٰ۔ کیا حال ہے گذشتہ نسلوں کا؟ انھوں نے فرمایا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّی فِی کِتَابِ (طٰہٰ) اس کا علم میرے رب کے پاس لکھا ہوا ہے۔

سورۂ لقمان

س١: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّیَتَّخِذَهَا هُزُواً۔ بعض لوگ لہو حدیث کے خریدار ہوتے ہیں کہ بلا علم کے لوگوں کو گمراہ کریں اور دین کو مذاق بنالیں۔ یہاں لہو حدیث کے معنی بہت سے مفسروں نے غناء یعنی گانے کے لکھے ہیں۔ لیکن کوئی دلیل نہیں ہے۔

ج: عربی زبان میں لہو کے معنی شغل کے ہیں اور حدیث کے معنی بات کے۔ یہ دو لفظ ہیں

Marfat.com

ایک دوسرے کی طرف مضاف۔ سارے عربی ادب میں لہو الحدیث کے معنی غناء کے نظر نہیں پڑے۔ خود اس آیت میں حدیث کی تین صفتیں بیان کی گئی ہیں۔ (۱) اس سے لوگوں کو گمراہ کیا جاتا ہے۔ (۲) وہ غیر یقینی ہے۔ (۳) اس سے دین کو مذاق بنایا جاتا ہے۔ غناء میں یہ صفتیں کہاں ہیں اور اس کو علم یا عدم علم سے کیا تعلق۔ یہ صفتیں تو روایات، قصص، افسانے اور خرافات وغیرہ کی ہیں۔ قرآن میں ہے نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيٰطِينُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۔ (بقرہ ۱۲) اہل کتاب کی ایک جماعت۔ نے اللہ کی کتاب کو ایسا پس پشت ڈال دیا کہ گویا اس کو جانتے ہی نہیں اور پیروی کی ان باتوں کی جن کو شیاطین سناتے ہیں۔ سلیمان کی سلطنت کے بارے میں یعنی کتاب الٰہی سے ہٹ کر روایات اور تاریخی قصص کی پیروی کرتے ہیں۔[۱]

س[۲]: اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۔ سب سے بُری آواز گدھوں کی آواز ہے۔ مگر اس کو بنایا تو اللہ ہی نے ہے۔ جس نے بلبل کو نغمہ عطا فرمایا اور اس کا قول ہے اَحْسَنَ كُلَّ شَيْئٍ خَلَقَهٗ (سجدہ ۱) اس نے جو چیز بنائی ہے، خوب بنائی ہے۔

ج: اشیاء کا حسن و قبح ہمارے لحاظ سے ہے۔ ورنہ خیر و شر ملک و ابلیس اسلام اور کفر سب اس کی مشیت کے مطابق ہے۔

سورۂ سجدہ

س[۱]: يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۔ امر چڑھتا ہے اس کی طرف ایک زمانے میں جس کی مقدار تمھارے شمار سے ہزار سال ہوتی ہے اور سورہ معارج میں ہے فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ

---

[۱] حدیث کے متعلق ہم نے متعدد مبسوط مقالات لکھے ہیں جو ہمارے مجموعہائے مضامین میں شائع ہو چکے ہیں۔

Marfat.com

سَنَۃٍ۔ ایک زمانے میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔

ج: عروج امر سے مراد ہے امر کا خاتمہ۔ بڑے بڑے اوامر تدبیری بتدریج اپنا دور کم و بیش ایک ہزار سال میں پورا کر دیتے ہیں اور سورہ معارج میں روح اور ملائکہ کا عروج ہے جو اوامر تدبیری کے کارکن ہیں، ان کے عروج سے اس عالم کا خاتمہ مراد ہے۔ یعنی قیامت جیسا کہ اس کے آگے ہے یَوْمَ تَکُوْنُ السَّمَآءُ کَالْمُھْلِ وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِھْنِ۔ اس دن آسمان ہوگا پگھلے ہوئے تانبے کی طرح اور پہاڑ ہوں گے اون کی طرح۔

س: وَنَفَخَ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِہٖ۔ اللہ نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔ اللہ روح سے منزہ ہے۔

ج: یہ آیات متشابہات میں سے ہے جن کی بابت سوال و جواب سے فتنہ میں پڑ جانے کا خطرہ ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے اس پر ایمان ہے۔

س: قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ۔ کہہ دے کہ تمھاری جان نکالتا ہے ملک الموت جو تمھارے اوپر مقرر کیا گیا ہے۔ سورہ انعام ۸ میں ہے تَوَفَّتْہُ رُسُلُنَا۔ ہمارے فرستادے اس کی جان نکالتے ہیں اور سورہ زمر ۵ میں ہے اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا۔ اللہ لوگوں کی جان نکالتا ہے، ان کی موت کے وقت۔ یہ متعارض باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

ج: سب کا مفہوم ایک ہے۔ سورہ انعام کی آیۃ مذکورہ میں ہے یُرْسِلُ عَلَیْکُمْ حَفَظَۃً حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْہُ رُسُلُنَا۔ اللہ تمھارے اوپر محافظ بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے فرستادے اس کی جان نکال لیتے ہیں یعنی جو فرشتے انسانوں کی جانوں پر موکل ہیں وہی ملک الموت ہیں۔ جو ان کی مدت حیات پوری ہو جانے پر ان کی جان نکال لیتے ہیں اور عالم ملکوت کے کارکن جو کچھ کرتے ہیں وہ بامراد الٰہی کرتے ہیں۔ اس لیے جان نکالنے کی نسبت اللہ کی طرف بھی صحیح ہے۔

Marfat.com

س: وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ ۔کافر کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ کب ہوگا ۔اس کے جواب میں ہے قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْ اِيْمَانُهُمْ کہہ دے کہ فیصلے کے دن کافروں کو ایمان لانا فائدہ نہ دے گا۔سوال اور جواب میں مطابقت واضح نہیں ہوتی۔

ج: کافروں کا یہ سوال استہزا کے طور پر تھا۔اس لیے جواب دینے کی ضرورت ہی نہ تھی۔صرف یہ ظاہر کر دیا کہ یہ پوچھنا بیکار ہے۔اس دن ایمان لانے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

سورۂ احزاب

سؔ۱: وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ ۔نبی کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں لیکن خود نبی کو مسلمانوں کا باپ قرار نہیں دیا۔بلکہ اس کے برخلاف فرمایا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ ۔محمد تمھارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔

ج: عورت کے احترام کا بالاترین درجہ امومت ہے۔اس وجہ سے ازواج نبی امت کی مائیں قرار دی گئیں۔بخلاف اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کا باپ نہیں قرار دیا۔کیونکہ خود نبی اور رسول کا درجہ باپ کے درجے سے زیادہ بلند ہے۔ان کے لیے کہا گیا اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ۔نبی مومنوں سے خود اس کی ذات سے بھی زیادہ قریب ہے۔اس واسطے کہ کبھی باپ بیٹے سے اور کبھی بیٹا باپ سے اپنے آپ کو الگ کر لیتا ہے مگر خود اپنی ذات سے کوئی برائت نہیں کر سکتا۔

سؔ۱: وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرَاهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ ۔جب ہم نے نبیوں سے اقرار لیا اور تجھ سے اور نوح سے اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے یہاں ترتیب زمانی کے خلاف خاتم النبین کا ذکر سب سے پہلے کیا اور سورہ شوریٰ ۲ میں حضرت نوح کا نام سب سے پہلے لیا۔ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْ

Marfat.com

اَوحَينا اِلَيکَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ اِبْرَاهِيمَ وَ مُوسیٰ وَ عِيسیٰ بْنَ مَرْيَمَ۔

ج: حضرت نوح سب سے پہلے رسول ہیں اور خاتم النبین سب سے آخری۔ فضیلت کے لحاظ سے یہاں خاتم النبین کا ذکر پہلے کیا اور تقدم زمانی کے لحاظ سے سورہ شوریٰ میں حضرت نوح کا۔ باقی انبیاء کا ذکر دونوں آیتوں میں سے ایک ہی ترتیب یعنی زمانہ کے لحاظ سے ہے۔

س۲: وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ۔ پہنچ گئے ان کے دل گلے تک۔ دل گلے تک پہنچنے پر موت لازمی ہے۔ پھر احسان کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے۔

ج: بول چال کے لحاظ سے اس کا یہ مطلب ہے کہ شدت خوف سے قریب تھا کہ دل اچھل کر گلے تک پہنچ جائیں۔

س۴: اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ۔ اللہ بس یہی چاہتا ہے کہ دور کردے تم گھر والوں سے برائی کو۔ یہاں اہلِ بیت سے مراد حضرت فاطمہ کی اولاد لی جاتی ہے۔ لیکن یہ گھر تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔

ج: اہل بیت کے معنی گھر والوں کے ہیں اور عام طور پر یہ لفظ اہلِ خانہ یعنی بیوی کے لیے مستعمل ہے۔ یہاں بھی اس لفظ سے ماقبل اور مابعد ازواج نبی ہی کا ذکر ہے۔ اس لیے وہی مراد ہیں۔ حضرت فاطمہ کی اولاد اس میں بذریعہ روایت کے شامل کی گئی ہے۔ قرآن میں دوسری جگہ بھی یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے۔ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ (ھود ۷) یہاں حضرت ابراہیم کی بیوی سے خطاب ہے۔

س۷: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ اے مومنو! نبی پر درود اور سلام بھیجو۔ صرف نبی پر درود اور سلام بھیجنے کا حکم ہے۔ لیکن مروجہ درود میں جس کو ہر مسلمان نمازوں میں پڑھتا ہے، نبی کے ساتھ آل پر بھی درود بھیجا جاتا ہے۔

Marfat.com

ج: یہ قرآن پر اضافہ بھی روایت ہی کے ذریعہ سے کیا گیا ہے۔

س ۸: اِنَّا اَطَعۡنَا سَادَتَنَا وَکُبَرَآءَ نَافَاَضَلُّوۡ نَاالسَّبِیۡلَا۔ ہم نے اپنے سرداروں اور بزرگوں کی اطاعت کی۔ انھوں نے ہم کو سیدھی راہ سے گمراہ کر دیا۔ سادات اور کبراء دونوں ہم معنی ہیں۔ ان میں سے ایک ہی کیوں نہ کافی سمجھا گیا۔

ج: دونوں مختلف معانی میں بھی بولے جاتے ہیں۔ سردار وہ بھی جو اپنی ذاتی لیاقت یا وجاہت سے سربرآوردہ ہو گیا ہو۔ اور اکبراء آباواجداد اللہ کی اطاعت کے سوا سب کی اطاعت گمراہی ہے کیونکہ حاکمیت اسی کی ہے۔ لیکن اس کی اطاعت ہوتی ہے بذریعہ رسول یا اس کے مقرر کیے ہوئے امراء کے جو پیرو ہو۔ تبہیں خالص قرآن کے۔

س ۹: اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوۡماً جَھُوۡلاً۔ انسان ہے بڑا ظالم، سخت، جاہل۔ انسان نے بار امانت اٹھالیا جس کے اٹھانے کے لیے آسمان، زمین اور پہاڑ بھی راضی نہ ہوئے۔ پھر اس کو ظالم اور جاہل اور وہ بھی مبالغہ کے ساتھ کیوں کہا گیا؟

ج: بار امانت اٹھالینے پر اس کو ظالم جاہل نہیں کہا گیا ہے بلکہ اس کی سرشتی کمزوری بیان کی گئی ہے۔ کیا عصیان اور اس کے نتیجے سے بے خبری چھوٹا ظلم و جہل ہے جس سے اس نے نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ نوع انسانی کو جنت سے نکلوا دیا۔

سورۂ سبا

س ۲: وَمِنَ الۡجِنِّ مَنۡ یَعۡمَلُ بَیۡنَ یَدَیۡہِ بِاِذۡنِ رَبِّہٖ۔ اور جنوں میں سے کچھ لوگ کام کرتے تھے۔ اس کے سامنے اپنے مالک کے حکم سے۔ کیا یہ جن جو حضرت سلیمان کے یہاں مزدوری کرتے تھے، وہی تھے جو آگ سے بنائے گئے ہیں؟

ج: جن ایک تو وہ ہیں جو آگ سے پیدا کیے گئے ہیں۔ ان کو جابجا جان کے لفظ سے قرآن نے تعبیر کیا ہے۔ سورہ حجر میں بھی اور سورہ رحمٰن میں بھی۔ وہ نظر نہیں آتے۔ دوسری قسم کے جن جو انس کے ساتھ قرآن میں بولے گئے ہیں وہ انسانوں ہی کا

Marfat.com

ایک طبقہ ہے۔ حضرت سلیمان کے یہاں جو ٹھٹیرے اور راج وغیرہ کام کرتے تھے وہ اپنے فنی کمال اور سرکشی کی وجہ سے جن کہے گئے۔ دوسری جگہ انھیں کے لیے شیاطین کا لفظ آیا ہے۔ وَمِنَ الشَّیَاطِیْنِ مَنْ یَّغُوْصُوْنَ لَہٗ وَیَعْمَلُوْنَ عَمَلاً دُوْنَ ذٰلِکَ (انبیاء ۶) شیطان جو غوطہ خوری کرتے تھے اس کے لیے اور اس کے سوا اور بھی کام کرتے تھے اور یہ مقید رکھے جاتے تھے۔ مقرنین فی الاصفاد (ص ۳) زنجیروں میں بندھے ہوئے۔

س۲: یَعْمَلُوْنَ لَہٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَتَمَاثِیْلَ وَجِفَانٍ کَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رَّاسِیَاتٍ۔ اس کے لیے بناتے تھے محرابیں، مورتیں، لگن، حوض جیسے اور دیگیں اپنی جگہ جمی ہوئی۔ حضرت سلیمان ایسے عظیم الشان نبی اور مورتیں بنواتے تھے۔

ج: بتوں اور مورتوں وغیرہ کو پوجنا شرک ہے اور ان کی تعظیم ناجائز۔ حضرت سلیمان ان کو آرایش کے لیے بنواتے تھے اور قرآن نے حضرت سلیمان پر انعامات الٰہی کے شمار میں ان چیزوں کا ذکر کیا ہے اور ان پر ان کو شکریہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اعملوا آل داوٗد شکراً۔ داوٗد کے فرزند و شکریہ بجالاؤ۔

سورۂ فاطر

س۲: اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ۔ اسی کی طرف پاک کلمہ چڑھتا ہے اور عمل صالح اس کو بلند کرتا ہے۔ کیا کلمہ طیبہ کو اللہ تک پہنچنے میں مدد کی ضرورت ہوتی ہے؟

ج: یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ایمان اللہ کے نزدیک عمل صالح سے مقبول ہوتا ہے۔

س۲: وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ مَا یَمْلِکُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ۔ اِنْ تَدْعُوْھُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَکُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَکُمْ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَکْفُرُوْنَ بِشِرْکِکُمْ ۔ اللہ کے ماسوا جن کو تم پکارتے ہو، وہ

Marfat.com

ایک چھلکے کے بھی مالک نہیں ہی۔ اگر تم ان کو پکارو گے تو وہ تمھاری پکار نہیں سنیں گے اور جو سنتے بھی تو جواب نہ دیتے اور۔ اور قیامت کے دن تمھارے شرک کا انکار کردیں گے۔ بعض مفسروں نے ماسوا سے یہاں بُت مراد لیے ہیں۔

ج: مشرک اپنے خیال میں بزرگان دین اور مقربین بارگاہ کو اپنا سفارشی اور اللہ کی طرف اپنا وسیلہ بنانے کے لیے پکارتے ہیں۔ انھیں کی بابت کہا گیا ہے کہ نہیں سنتے۔ سورہ نحل میں ان سے علم و شعور کی نفی گذر چکی ہے۔ یہ بت نہیں ہیں۔ قیامت کے دن شرک کا انکار کرنے کی قدرت بتوں میں کہاں ہوگی۔ سورہ نحل ۱۲ میں اس کی مزید تشریح ہے۔ وَاِذَا رَاَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوا شُرَکَآئَھُمْ قَالُوا رَبَّنَا ھٰٓؤُلَآءِ شُرَکَآءُنَا الَّذِیْنَ کُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُوْنِکَ فَاَلْقَوا اِلَیْھِمُ الْقَوْلَ اِنَّکُمْ لَکَاذِبُوْنَ ۔ قیامت میں جب مشرکین اپنے شرکاء دیکھیں گے اس وقت کہیں گے اے ہمارے رب! یہ ہیں وہ وہ شرکاء جن کو ہم تیرے سوا پکارتے تھے۔ وہ شرکاء ان کو جواب دیں گے کہ تم بالکل جھوٹے ہو۔

سورۂ یٰسین

۲
س: فَطَرَنِی اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ۔ اللہ نے مجھے پیدا کیا اور تم اسی کی طرف پلٹ کر جاؤ گے۔ دنیاوی زندگی کو اپنی طرف منسوب کیا اور اخروی زندگی کو مخاطبوں کی طرف۔ اسلوب کا تقاضا یہ تھا کہ اللہ نے مجھے پیدا کیا ہے اور مجھے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

ج: دنیاوی زندگی مومن کے لیے نعمت الٰہی ہے جس میں وہ نجات حاصل کرنے کا سامان کرتا ہے اور اخروی زندگی کافروں کے لیے سزا بھگتنے کی جگہ ہے۔ اس وجہ سے اس نے دنیاوی زندگی کو اپنی طرف منسوب کیا۔ شکریہ کے طور پر۔ اور اخری زندگی کو مخاطبوں کی طرف تاکہ ان کو دلوں میں خوف پیدا ہو۔

۳
س: اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْیَشَآءُ اللّٰہُ اَطْعَمَہٗ ۔ کیا ہم اس کو کھلائیں جس کو اگر اللہ چاہتا

Marfat.com

تو کھلاتا۔ فقیروں کو نہ کھلانے کی یہ توجیہ کفار کس بنیاد پر کرتے تھے؟

ج: ان کی منطق یہ تھی کہ ہم مشیت الٰہی کے پابند ہیں جس کو اللہ نے نہیں کھانے کو دیا۔ اس کو ہم کیوں دیں۔ سورہ انعام ۱۸ نیز سورہ نحل ۵ میں ان کا قول بیان کیا گیا ہے لوشاء اللہ ما عبدنا من دونہٖ من شئی۔ اگر اللہ چاہتا تو اس کے سوا ہم کسی چیز کو نہ پوجتے۔ یہی خیال ان سے پہلے بھی مشرکوں میں چلا آتا تھا۔ قرآن نے بتلایا کہ مشیت الٰہی مقصود نہیں بلکہ رضائے الٰہی مقصود ہے۔ لَا یَرۡضٰی لِعِبَادِہِ الۡکُفۡرَ وَ اِنۡ تَشۡکُرُوۡا یَرۡضَہُ لَکُمۡ ۔ (رزمرا) وہ اپنے بندوں کے کفر پر راضی نہیں ہے۔ اور اگر تم شکر کرو گے تو اس۔ سے راضی ہوگا۔ حالانکہ کفر اور شکر سب اس کی مشیت کے ماتحت ہیں۔

س۴: وَنُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَاِذَا ھُمۡ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ اِلٰی رَبِّھِمۡ یَنۡسِلُوۡنَ۔ قَالُوۡا یٰوَیۡلَنَا مِنۡ مَّرۡقَدِنَا ۔صور پھونکا جائے گا ایک دم۔ وہ قبروں سے اپنے رَب کی طرف چل پڑیں گے اور کہیں گے ہائے ہماری شامت کس نے ہم کو ہماری خوابگاہ سے جگا دیا۔ کیا ہزاروں سال تک قبروں میں رہنے کا احساس ان کو نہیں ہوگا؟

ج: مُردوں میں نہ حیات ہے نہ شعور۔ کسی قسم کا احساس اور نہ ان کے اوپر زمانہ گزرتا ہے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جس وقت وہ قیامت میں اٹھائے جائیں گے حیرت سے کہیں گے کہ ہم کو کس نے ہمارت بستر خواب سے جگا دیا۔ صرف نیک بندے نہیں بلکہ مجرم بھی یہی خیال کریں گے۔ وَیَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَۃُ یُقۡسِمُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ مَالَبِثُوۡا غَیۡرَ سَاعَۃٍ (ردم ٦) جس دن قیامت آئے گی گنہ گار قسم کھائیں گے کہ وہ ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔ سورہ یٰسین ۵ اور سورہ احقاف ۴ میں بھی یہی بات کہی گئی ہے۔ مزید تفصیل کے ساتھ۔

س۵: مِمَّا عَمِلَتۡ اَیۡدِیۡنَا اَنۡعَامًا ۔ جو چوپائے ہمارے ہاتھوں نے بنائے۔ اللہ ہاتھ پاؤں سے منزّہ ہے۔

Marfat.com

ج: اس میں کیا شک ہے مگر وہ جو ہم کو سمجھاتا ہے اسی زبان میں سمجھاتا ہے جس کو ہم بولتے ہیں۔ کوئی فعل بلا شرکت غیرے جب کسی کی طرف منسوب کرنا ہوتا ہے تو اس کو اس کے ہاتھ کا فعل کہتے ہیں۔ یہاں یہی ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ان چوپایوں کو اکیلے اللہ ہی نے بنایا ہے۔

سورۂ صافات

س۳: اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ نوح ہمارے مومن بندوں میں سے ہے۔ رسول کا درجہ تو مومن سے بڑا ہے۔

ج: مومنوں کے لیے ایمان کا رتبہ ظاہر کرنے کے واسطے کہ یہ چیز رسول میں بھی قابل مدح ہے۔

س۴: اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَيَهْدِيْنِ ۔ میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں۔ وہ مجھے ہدایت دے گا۔ رب کی طرف جانے کا مطلب کیا ہے اور حضرت ابراہیم تو خود ہدایت یافتہ تھے۔ ان کو کس ہدایت کی ضرورت تھی؟

ج: رب کی طرف جانے سے مراد اس سرزمین کی طرف ہجرت کرنا ہے جہاں وہ اپنے اکیلے رب کی عبادت کر سکیں اور اس میں ہر قدم پر ان کو ہدایت کی ضرورت تھی جیسے بنی اسرائیل کو جب فرعون ان کا پیچھا کرتا ہوا نظر آیا اور آگے سمندر تھا تو وہ ڈر گئے اور کہنے لگے کہ اب ہم پکڑے گئے۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَيَهْدِيْنِ (شعراء۴) میرے ساتھ میرا رب ہے وہ راستہ دکھائے گا۔

سورۂ ص

س۲: اِنِّیْ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ ۔ اَحْبَبْتُ میں خود حب کا لفظ موجود ہے۔ اس کے مکرر لانے کی کیا غرض ہے؟

ج: احببت کے معنی پسند کرنے کے بھی آتے ہیں۔ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنَا هُمْ

Marfat.com

فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (حم سجدہ ۲) ثمود کو ہم نے راہ دکھائی۔ انھوں نے ہدایت پر گمراہی کو پسند کیا۔ یہاں یہ معنی ہوئے کہ ہم نے ذکر الٰہی پر مال کو پسند کیا۔

س۵: خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۔ابلیس نے کہا کہ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے۔ مگر مٹی پر آگ کی ترجیح کی کوئی وجہ اس نے بیان نہیں کی۔

ج: آگ تخریبی عنصر ہے اور مٹی تعمیری۔ اس لیے مٹی پر اس کی ترجیح کی کوئی وجہ موجود ہی نہیں۔ بجز اس کے کہ اس کے شعلوں میں سرکشی ہے۔[1]

سورۂ زمر

س۱: وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۔ اتارے تمھارے لیے چوپائے آٹھ نر و مادہ اتارنے کا کیا مفہوم ہے؟ چوپائے تو پیدا کیے جاتے ہیں۔

ج: پانی برسنے سے نباتات اور حیوانات کی پیدائش ہوتی ہے اور پانی چونکہ بلندی سے اترتا ہے اس لیے اتارنے کا لفظ استعمال کیا ہے۔ سورہ اعراف ۳ میں قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا۔ ہم نے تمھارے اوپر لباس، سورہ حدید ۳ میں ہے وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ۔ ہم نے لوہا اتارا۔

س۲: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَه ۔جنھوں نے بھلائی کی اس دنیا میں، ان کے لیے بھلائی ہے مفسروں نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جنھوں نے اس دنیا میں بھلائی کی ان کے لیے آخرت میں بھلائی ہے۔ یعنی فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا کو اَحْسَنُوا کا متعلق گردانا ہے، حسنہ کا نہیں۔

ج: یہ تفسیر صحیح نہیں۔ بھلائی تو جب کی جائے گی دنیا ہی میں کی جائے گی۔ اس کی شرط لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جن لوگوں نے بھلائی کی ان کو

---

[1] علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب الفلک المشحون میں ۱۸ وجوہ سے مٹی کی برتری آگ پر ثابت کی ہے۔

Marfat.com

اس دنیا میں بھلائی ملے گی۔ دوسری جگہ ہے لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَه وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْر ۔(نحل ۴) جنھوں نے احسان کیا اسی دنیا میں ان کو بھلائی ملے گی اور آخرت کا بدلہ تو بہت ہی بہتر ہوگا۔

سورۂ مومن

س۲: قَالُوا رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ ۔اے رب! تو نے ہم کو دوبار موت دی اور دوبار زندہ کیا۔ یہ دوموت اور دوحیات کون سی ہیں؟

ج: سورہ بقرہ ۲ میں اس کی تشریح ہے۔ كُنْتُمْ اَمْوَاتاً فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۔تم مردہ تھے۔ اللہ نے تم کو زندگی عطا فرمائی۔ پھر تم کو موت دے گا۔ پھر زندہ کرے گا۔ انسان کی دنیا میں پیدائش سے پہلے کی حالت کو موت سے تعبیر کیا۔ پھر یہ زندگی دی۔ پھر اس دنیا موت ہوگی جس کے بعد قیامت کے دن دوسری زندگی ملے گی۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذَالِكَ لَمَيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ (مومنون ۱) اس دنیاوی زندگی کے بعد تم ضرور مروگے۔ پھر قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔ قبر میں زندگی کا قرآن سے ثبوت نہیں ملتا۔

س۵: اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوّاً وَّعَشِيّاً وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَاب۔ آگ جس پر پیش کیے جاتے ہیں آل فرعون صبح اور شام اور جس دن قیامت ہوگی حکم دیا جائے گا کہ آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔ اس سے عذاب برزخ لوگ نکالتے ہیں۔

ج: یعرضون مضارع کے صیغہ کو حال کے معنی میں ان لوگوں نے لیا ہے جو عذاب برزخ کے قائل ہیں۔ حالانکہ یہاں استقبال کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ سورہ ھود ۹ میں تصریح ہے يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّار ۔فرعون آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت کے دن اور ان کو آگ میں اتارے گا۔ دوسرا جملہ اس کی تفسیر ہے کہ اس دن فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ سب سے سخت عذاب میں ان کو داخل کرو۔

Marfat.com

غدواوعشیا کے معنی ہیں ہمیشہ جنتیوں کے لیے بھی۔ سورہ مریم ۴ میں ہے وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا۔ ان کو ان کی روزی ہمیشہ ملتی رہے گی۔[1]

سورۂ حٰم سجدہ

س: وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ۔ اللہ نے زمین میں روزیاں رکھیں چار دن میں۔ قرآن میں جابجا یہی کہا گیا ہے کہ زمین اور آسمان چھ دنوں میں بنائے گئے ہیں۔ لیکن یہاں جوڑنے سے آٹھ دن ہوجاتے ہیں۔

ج: یہاں بھی چھ ہی دن ہیں۔ فی اربعۃ ایام۔ کے معنی ہیں فِي تَتِمَّةِ أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ۔ یعنی زمین کی تخلیق دو دن میں ہوئی۔ اس میں روزیاں دو دن میں مقرر ہوئیں۔ یہ چار دن ہو گئے۔ پھر دو دن میں ساتوں آسمان بنائے گئے۔

سورۂ شوریٰ

س: قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ۔ اے نبی! کہہ دے کہ تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ سوائے رشتہ کی محبت کے۔ اس تفسیر میں بعض لوگوں نے کہا ہے کہ میں کوئی اجر نہیں چاہتا، سوائے اس کے کہ میرے رشتے داروں سے محبت رکھو۔

ج: یہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف معنوی ہے۔ اگر یہ مقصد ہوتا تو عبارت ہوتی الا المودۃ لاقربائی۔ قربےٰ کے معنی قرابت کے ہیں۔ قرابت دار کے نہیں ہیں اور اس کا استعمال فی کے ساتھ ہوا ہے۔ یعنی قرابت کی محبت۔ جتنے رسول یا نبی پہلے آئے ہر ایک نے اپنی قوم سے یہی کہا کہ ہم تم سے تبلیغ رسالت پر کسی اجر کے خواہاں نہیں ہیں۔ ہمارا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ چنانچہ ہر پیغمبر کے قصے میں مختلف سورتوں خاص

---

[1] عالم برزخ پر ہمارا ایک مبسوط مقالہ ہے جس میں یہ بحث تفصیل کے ساتھ کی گئی ہے۔ یہ ہمارے مجموعہ مضامین ''آفات اسلم'' میں شائع کیا گیا ہے۔

Marfat.com

کہ سورۂ شعراء میں یہ امر تصریح کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ خاتم النبین کی زبان سے سب سے بڑھ کر یہ اعلان کرایا گیا کہ میں تم سے اجر تو کیا کسی خاص تعظیم کا بھی طالب نہیں ہوں۔ صرف رشتہ کا برتاؤ چاہتا ہوں جو معاشرانہ حق ہے۔ اہل غرض نے اس پاک اور بے غرض تعلیم کو تحریف کر کے اپنے مقصد کے مطابق بنانے کی کوشش کی۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم امت سے یہ مطالبہ کرتے کہ میری تبلیغ کے بدلے میں تم میرے اقربا سے محبت رکھو تو اس سے بڑا اور کون سا اجر ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ان کی محبت اجر رسالت ہونے سے ان کو خلافت اور امامت کا منصب دینا بھی لازم آ جاتا اور اس تحریف سے ان کی اصلی غرض یہی تھی۔

س۳: وَمِنۡ اٰیٰتِہٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَثَّ فِیۡہِمَا مِنۡ دَآبَّۃٍ۔ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے آسمان اور زمین کا پیدا کرنا اور ان جانداروں کا جو ان میں بکھیر دیے ہیں۔ زمین میں تو جاندار ہم دیکھتے ہیں۔ کیا آسمان میں بھی اسی قسم کے جاندار ہیں یا فرشتے مراد ہیں؟

ج: دابہ اور فرشتے الگ الگ مخلوق ہیں۔ وَلِلّٰہِ یَسۡجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ مِنۡ دَآبَّۃٍ وَّالۡمَلٰٓئِکَۃُ آسمانوں اور زمین میں جتنے جاندار اور فرشتے ہیں سب ہی اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ سماء کے معنی بلندی کے ہیں ان میں گرے پڑے گھوم رہے ہیں ان میں بھی ہر قسم کے جاندار اور فرشتے اسی طرح ہیں جس طرح زمین میں۔

سورۂ زخرف

س۱: وَالۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ اِنَّا جَعَلۡنٰہُ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا۔ کتاب مبین شاہد ہے کہ ہم نے اس کو عربی قرآن بنایا۔ کتاب مبین سے مراد کیا ہے؟

ج: سورہ انعام ۷ میں ہے وَیَعۡلَمُ مَا فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ وَمَا تَسۡقُطُ مِنۡ وَّرَقَۃٍ اِلَّا یَعۡلَمُہَا وَلَا حَبَّۃٍ فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَلَا رَطۡبٍ وَّلَا

Marfat.com

یَابِسٍ اِلَّا فِیۡ کِتَابٍ مُّبِیۡنٍ ۔جو بحروبر میں ہے۔اللہ اس کو جانتا ہے اور جو پتا گرتا ہے اس کا علم رکھتا ہے اور جو دانا زمین کی تاریکی میں ہے اور جو تر اور خشک ہے سب کتاب مبین میں ہے۔اس سے ظاہر ہو گیا کہ کتاب مبین سے مراد علم الٰہی ہے۔اسی کتاب مبین کو اللہ نے عربی قرآن بنایا ہے۔کائنات فطرت فعل الٰہی۔ کتاب مبین، علم الٰہی اور قرآن قول الٰہی ہے اور یہ تینوں متحد ہیں۔

س۵: وَلَا یَکَادُ یُبِیۡنُ ۔فرعون نے کہا موسیٰ تو صاف بول بھی نہیں سکتے۔کیا ان کی لکنت باقی تھی؟ انھوں نے جو بہت سی دعائیں کی تھیں ان میں یہ دعا بھی تھی کہ میری زبان کی گرہ کھول دے اور اللہ نے ان کی یہ دعائیں قبول فرمائی تھیں۔پھر لکنت کیسے رہ گئی؟

ج: حضرت موسیٰ نے دعا میں فرمایا تھا وَاحۡلُلۡ عُقۡدَۃً مِّنۡ لِّسَانِیۡ یَفۡقَهُوۡا قَوۡلِیۡ (طٰہٰ ۲) ایک گرہ میری زبان کی کھول دے کہ لوگ میری بات سمجھنے لگیں۔یہ دعا قبول ہوئی، جس سے ان کی لکنت کم ہو گئی۔مگر پھر بھی کچھ رہ گئی تھی جس کی بدولت حضرت ہارون کو نبوت ملی۔

سورۂ دخان

س۳: لَا یَذُوۡقُوۡنَ فِیۡهَا الۡمَوۡتَ اِلَّا الۡمَوۡتَۃَ الۡاُوۡلٰی ۔جنتی بجز پہلی موت کے جنت میں کوئی موت نہیں چکھیں گے، لیکن وہ پہلی موت جنت میں تو نہیں ہوئی، پھر استثنا کیسا؟

ج: اِلَّا اگرچہ حرف استثنا ہے مگر کہیں کہیں اس کے معنی سوا کے بھی ہوتے ہیں۔سورہ نسا ۴ میں ہے وَلَا تَنۡکِحُوۡا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ۔جن عورتوں سے تمھارے باپوں نے نکاح کیا ان سے نہ نکاح کرو۔سوائے اس کے جو ہو چکا۔یہاں یہ معنی ہوئے کہ سوائے پہلی موت کے جو انھوں نے چکھی تھی، جنت میں موت نہیں چکھیں گے۔

Marfat.com

سورۂ جاثیہ

سؔ۴: کُلُّ اُمَّۃٍ تُدۡعیٰ اِلیٰ کِتَابِھَا ۔ ہر قوم اپنی کتاب کی طرف بلائی جائے گی۔ پھر آگے ہے ھٰذَا کِتَابُنَا یَنۡطِقُ عَلَیۡکُمۡ بِالۡحَقِّ ۔ یہ ہماری کتاب تمھارے بارے میں ٹھیک ٹھیک کہہ رہی ہے۔ کتاب ایک ہی ہے اسی کو کبھی قوم کی طرف منسوب کیا ہے، کبھی اپنی طرف۔

ج: کتاب قوم کی طرف اس لیے مضاف ہے کہ اس میں ان کے اعمال لکھے ہوئے ہیں اور اللہ کی طرف اس لیے کہ کراماً کاتبین نے اس کے حکم سے لکھا ہے۔

سورہ احقاف

س: وَحَمۡلُہٗ وَفِصَالُہٗ ثَلٰثُوۡنَ شَھۡرًا ۔ اس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھوڑنا تیس مہینے میں ہے۔ دونوں کی مدت ایک ساتھ بیان کرنے میں کیا فائدہ ہے؟

ج: یہ بیان ہے ماں کی اس تکلیف کا جو اولاد کے لیے اس کو برداشت کرنی پڑتی ہے۔ یعنی حمل و رضاعت جن کا سلسلہ ایک ہی ہے۔ اس لیے دونوں کی مدت ایک ہی ساتھ بتائی گئی ہے اور وہ بھی کم سے کم۔ ورنہ سورہ بقرہ ۳۰ میں صرف رضاعت کی مدت دو سال بتائی گئی ہے۔ اور حمل کی مدت بالعموم ۹ ماہ ہوتی ہے۔ اس طرح پونے تین سال کی مدت ہو جاتی ہے۔

سورۂ محمد

سؔ۱: فَاِمَّا مَنًّا بَعۡدُ وَاِمَّا فِدَاءً ۔ اس کے بعد یا تو احسان رکھ کر یا فدیہ لے کر یعنی لڑائی میں جو دشمن گرفتار ہوں ان کو چھوڑ دو یا مفت احسان کر کے۔ یا فدیہ لے کر۔ پھر یہ ملک یمین غلاموں اور لونڈیوں کا مسئلہ قرآن میں کیوں ہے؟

ج: غلامی کا صرف ایک ہی راستہ تھا یعنی اسیران جنگ۔ قرآن میں یہ حکم دے کر کہ ان کو

Marfat.com

چھوڑ دو، اس کا راستہ بالکل بند کر دیا۔ مگر جو غلام پہلے سے عربوں کے پاس تھے وہ ان کی معاشی زندگی میں اس قدر دخیل تھے کہ فوراً ان کی آزادی کا حکم دے دیا جاتا تو قوم کی اقتصادی حالت بگڑ جاتی۔ اس لیے قرآن نے جس کا اصول تدریجی اصلاح ہے۔ رفتہ رفتہ ان کی آزادی کی صورت نکالی۔ قتل خطا، نقض یمین اور ظہار وغیرہ کا کفارہ یہی رکھا کہ غلام آزاد کرو۔ نیز فک رقبہ کی فضیلت جتا کر عام نعمتوں کے شکریہ اور گناہوں کے استغفار میں اس کی رغبت دلائی اور مکاتیب کرنے کا بھی حکم دیا تاکہ جلد از جلد انسانی غلامی کی لعنت ملت اسلامیہ سے نکل جائے۔ قرآن میں انھیں کا مسئلہ ہے۔

س ۱: وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے اللہ ان کے اعمال کو نہیں کھوئے گا۔ ان کو ہدایت دے گا اور ان کا حال ٹھیک کرے گا۔ موت کے بعد ہدایت اور اصلاح حال کیونکر ہوگی؟

ج: شہیدوں کی زندگی کے تسلسل میں موت سے فرق نہیں پڑتا۔ وہ دنیاوی زندگی سے اخروی زندگی کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ سورہ بقر میں اس کی توضیح گذر چکی ہے۔ عالم اخروی میں کیا کچھ ہوگا یہ وہیں چل کر معلوم ہوگا۔ وہاں کی ہدایت اور اصلاح حال کی کیفیت یہاں ہماری سمجھ کی دسترس سے باہر ہے۔

س ۲: مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۔ مثال اس جنت کی جس کا متقیوں سے وعدہ ہے۔ بجائے حقیقت کے تمثیل کیوں بیان کی گئی ہے؟

ج: یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جنت اور دوزخ کے بارے میں جو آیات ہیں وہ متشابہات میں سے ہیں۔ اسی لیے ان کا بیان تمثیلی اور تشبیہی ہے۔ سورہ سجدہ ۲ میں یہ حقیقت بیان کر دی گئی ہے لَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۔ کسی کو معلوم نہیں کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا چھپا کر رکھا گیا ہے۔

Marfat.com

سورۂ فتح

س: إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيناً لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ۔ ہم نے تجھ کو نمایاں فتح دی۔ تاکہ اللہ تیرے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کردے۔ فتح مغفرت کے لیے تھی یا اعلاء کلمۃ الحق کے لیے۔ اور اگلے گناہ کی معافی کے ساتھ پچھلے گناہ کی معافی کے کیا معنی ہوئے؟ کیونکہ ان کا تو ابھی وجود ہی نہیں ہے۔

ج: فتح سے یہاں بیعت رضواں مراد ہے جس سے اسلام کے جاں نثاروں کی ایک قومی جماعت تیار ہوگئی۔ اس پر مغفرت۔ اتمام نعمت۔ ہدایت اور کامیابی کا وعدہ کیا گیا جیسا کہ آگے کی آیت میں ہے۔ اور پچھلے گناہ اگر وجود میں آئیں گے تو ان کی معافی کا بھی وعدہ ہے۔

سورہ حجرات

س: لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ ۔ نبی کی آواز پر اپنی آواز اونچی نہ کرو اور اس کے لیے زور سے نہ بولو۔ ودنوں جملے ہم معنی معلوم ہوتے ہیں۔

ج: فرق ہے۔ پہلا جملہ عام ہے کہ نبی کے حضور میں اونچی آواز سے نہیں بولنا چاہیے۔ دوسرا خاص کہ اپنی آواز کو بلند آواز سے اس طرح مخاطب نہ کرو جس طرح تم آپس میں ایک ودسرے کو کرتے ہو۔ اس کی توضیح سورہ نور کے آخری رکوع میں ہے لَا تَجْعَلُوا دُعَآءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضاً۔ رسول کو اس طرح نہ پکارو جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

Marfat.com

سورۂ ق

س۲: فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدًا ۔ تیری نگاہ آج کے دن تیز ہے۔ قیامت کے دن اللہ کافروں سے کہے گا کہ تمھاری آنکھوں سے غفلت کا پردہ اٹھ گیا۔ اب تمھاری نگاہ تیز ہے۔ دوسری جگہ ہے وَنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۔ (طٰہٰ ۷) اس کو ہم اٹھائیں گے اندھا۔

ج: گنہ گاروں کے طبقات مختلف ہیں اور قیامت میں ان کے حالات بھی مختلف ہیں۔

سورہ الذاریات

س۳: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۔ میں نے جن وانس کو صرف اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔ پھر ان میں سے زیادہ تعداد نافرمان کیوں ہے؟

ج: اللہ نے فرمایا ہے وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔ (سورہ اعراف ۳۲) ہم نے کثیر تعداد میں جن وانس کی جہنم کے لیے پھیلا رکھی ہے۔ یہی لوگ ہیں جو نافرمان ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی جہالت دیکھ دیکھ کر کڑھتے تھے اور اپنی مسئولیت کے خیال سے ڈرتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ نے فرمایا لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَنْ لَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۔ (شعرا۔۱) شاید تو اس کے پیچھے اپنی جان گنوادے گا کہ یہ ایمان نہیں لاتے۔ دوسری جگہ یہ حقیقت واضح کی وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۔ (سجدہ ۲) اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو اس کی راہ دکھا دیتے لیکن یہ تو میں نے فیصلہ کر رکھا ہے کہ جن و انس سے جہنم کو ضرور بھردوں گا اور رسول کو ان کی باز پرس سے بری کر دیا۔ وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ۔ (بقرہ ۱۴) جہنمیوں کی بابت تجھ سے نہیں سوال کیا جائے گا۔

Marfat.com

سورۂ طور

س۱: وَزَوَّجۡنٰهُمۡ بِحُوۡرٍ عِيۡنٍ ۔ ان کو بیاہ دیں گے حورعین کے ساتھ۔ کیا جنت میں بھی شادیاں ہوں گی؟

ج: ہم دنیا میں جس کو شادی سمجھتے ہیں اس پر جنت کی شادی کا قیاس صحیح نہ ہوگا۔ غالباً اسی فرق کو ظاہر کرنے کے لیے اس کو ب کے ساتھ متعدی کیا ہے، ورنہ عام طور پر عربی میں تزویج کا استعمال بلا صلہ کے ہے۔ خود قرآن میں ہے زَوَّجۡنٰكَهَا ۔ (احزاب ۵)

س۲: فَاِنَّكَ بِاَعۡيُنِنَا ۔ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ کون سی چیز اللہ کی آنکھوں کے سامنے نہیں ہے؟

ج: ایسا جابجا اہمیت کے اظہار کے لیے کہا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ کی شان میں ہے لِتُصۡنَعَ عَلٰى عَيۡنِىۡ (طٰہٰ ۲) تاکہ تیری پرورش ہماری آنکھوں کے سامنے ہو۔ حضرت نوح کی کشتی کے بارے میں ہے تَجۡرِىۡ بِاَعۡيُنِنَا (قمر۔۱) ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔

سورۂ نجم

س۱: اَفَرَءَيۡتُمُ اللّٰتَ وَالۡعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الۡاُخۡرٰى ۔ کیا تم نے سمجھ رکھا ہے لات اور عزیٰ اور تیسری منات کو۔ مراد رویت قلب ہے جس کے لیے اصولاً دو مفعول ہونے چاہئیں۔

ج: دوسرا مفعول ہے اللہ کی بیٹیاں، جس کے ذکر کی ضرورت نہ تھی۔

سورۂ قمر

س۱: اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ ۔ قیامت قریب آئی اور چاند پھٹا اس

Marfat.com

سے لوگوں نے معجزہ شق القمر پر استدلال کیا ہے۔

ج: یہ استدلال صحیح نہیں۔ کیونکہ اس کے ماقبل یا مابعد رسول کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ قیامت کا ہے اور یہ اسی کے قرب کی نشانی بیان کی گئی ہے۔ آخری پارہ کی مختلف سورتوں میں إِذَا السَّمَآءُ انشَقَّتْ۔ جب آسمان پھٹ جائے گا إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ جب سورج تاریک ہو جائے گا وغیرہ قیامت ہی کے علامات ہیں۔ ماضی کا صیغہ جو یہاں لایا گیا ہے تو قرآن میں قیامت حشر ونشر بلکہ جنت و دوزخ کے نے والے واقعات بیشتر ماضی ہی کے صیغہ میں مذکور ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل میں بیان کیا جا چکا ہے کہ خاتم النبین کو حسی معجزہ جو آنکھوں سے دیکھائے گا، نہیں دیا گیا بلکہ عقلی معجزہ قرآن میں دیا گیا ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

س[۱]: وَلَقَدْ تَرَكْنَا مِنْهَا اٰيَةً۔ ہم نے نوح کی کشتی کو نشانی رکھ چھوڑا ہے۔ کیا وہ اب تک محفوظ ہے؟

ج: قرآن میں سفینۂ نوح کو نشانی بنانے کا ذکر کئی مقام پر ہے۔ سورہ عنکبوت ۲ میں ہے وَجَعَلْنٰهَا اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ ہم نے اس کشتی کو دنیا والوں کے لیے نشانی بنا دیا۔ کچھ زمانہ ہوا پتہ لگا کہ وہ نشانی مل گئی اور محفوظ ہے۔[۱]

سورہ رحمٰن

س: سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلٰنِ۔ ہم جلد رخ کریں گے تمھاری طرف۔ اے جن وانس! کیا اللہ کو مشغولیت رہتی ہے جس سے وہ فارغ ہو۔

---

[۱] چند سال ہوئے اخباروں اور رسالوں میں مضامین شائع ہوئے کہ وہ کشتی مل گئی۔ جودی پہاڑ پر سے جہاں برف کے نیچے دبی ہوئی وہ محفوظ تھی۔ برف کی چٹانوں کے ساتھ لڑھک کر نیچے آ گئی ہے۔ پہلے روسی فوج کے کسی ہوا باز نے اس کو دیکھا۔ پھر اور لوگ گئے۔ انگریزی، ترکی اور مصری وفود بھی جا کر اس کو دیکھ آئے وہ اسی پیمانہ کے مطابق ہے جو توریت میں مذکور ہے۔ خدائی کے دعویدار فرعون کی لاش کے بعد یہ دوسری بڑی نشانی بھی دنیا نے دیکھ لی جن سے قرآن کے بیان کی صداقت آشکارا ہو کر رہی۔

Marfat.com

ج: یہ دھمکی کا دستور ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمھارے حساب و کتاب کا وقت جلد آ رہا ہے۔

سورۂ واقعہ

س۱: وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ غِلْمَانٌ۔ ہمیشہ رہنے والے۔ جنت میں سب کو خلود ہے۔ ان خدام کو مخلد کہنے کی کیا خصوصیت ہے؟

ج: ان کا خلود اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ وہ ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے۔ جنت میں رہ کر بھی کبھی جوانی تک نہیں پہنچیں گے۔

سورہ حدید

س۲: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ جو لوگ اللہ اور رسول پر ایمان لائے وہی اللہ کے نزدیک صدیق و شہید ہیں۔ صدیق اور شہید کے درجے نبی کے بعد ہیں۔ کیا ہر مومن کو نصیب ہو سکتے ہیں؟

ج: اور کیا، ان کی کوئی خاص علامت ہوتی ہے؟ یہ ایمان ہی کے مدارج ہیں۔ شہید کا لفظ قرآن میں دین کے مبلغ اور محافظ کے لیے جابجا مستعمل ہوا ہے اور وہ مومن کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔

س: سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ سبقت لے جاؤ اپنے رب کی مغفرت کے لیے۔ کس سے سبقت لے جاؤ؟

ج: موت سے۔ یعنی مرنے سے پہلے ایمان اور عمل صالح سے اپنے آپ کو رب کی مغفرت کا مستحق بنالو۔ آل عمران ۱۴ میں ہے۔ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ جلدی کرو اپنے رب کی مغفرت کی طرف۔ یہ سارعو کا لفظ سابقوا کی تفسیر ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

سورۂ مجادلہ

س ۳: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۔ اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آکر رہیں گے۔ لیکن دنیا کی حالت دیکھتے ہوئے تو اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ ہر طرف شیطان ہی کا غلبہ نظر آتا ہے۔

ج: کیا دنیا ختم ہوگئی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ قرآن یقین دلاتا ہے وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ انجام اللہ سے ڈرنے والوں کے حق میں ہوگا۔

سورۂ حشر

س ۱: مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۔ رسول جو تم کو دے، لے لو اور جس سے روکے، اس سے رک جاؤ۔ محدثین اس آیت کو حدیثوں کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔

ج: یہاں مال فئے کی تقسیم کا بیان ہے کہ اس میں سے رسول جو تم کو دے دے، لے لو اور جو نہ دے اس سے باز رہو۔ حدیثیں رسول نے دی نہیں ہیں بلکہ فرمائی ہیں۔ آتا کے معنی سارے قرآن میں کہیں کہنے یا حکم دینے کے نہیں ہیں۔ اور روکنے کے بھی۔ لوگوں نے نہا کے بالمقابل آتا کے لفظ کو امر یا قال کے معنی میں لیا، جو نہ صرف لغت بلکہ قرآن کی رو سے بھی صحیح نہیں ہے۔

س ۱: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۔ اگر اس قرآن کو ہم کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو دیکھتا کہ وہ اللہ کے خوف سے گر کر پاش پاش ہو جاتا۔ پہاڑ پر قرآن اتارنے کا کیا مفہوم ہے؟

ج: اس جملے سے قرآن کی عظمت کا اظہار مقصود ہے جس طرح اللہ کے جلوے سے کوہ طور ریزہ ریزہ ہوگیا تھا، اسی طرح اس کے کلام سے اگر وہ کسی پہاڑ پر نازل ہوتا تو وہ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔

Marfat.com

سورۂ ممتحنہ

س:[1] اِلَّا قَوْلَ اِبْرَاهِيْمَ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ ۔بجز ابراہیم کے اس قول کے جو انھوں نے اپنے باپ سے کہا کہ میں تیرے لیے مغفرت مانگوں گا۔ یہ استثنا کس سے کیا گیا ہے؟

ج: اس سے اوپر آیت گزری ہے قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِىْ اِبْرَاهِيْمَ ۔تمھارے لیے ابراہیم کے اندر اچھا نمونہ ہے یعنی ابراہیم کی پیروی کرو۔ بجز اس بندے کے جو انھوں نے اپنے باپ سے کیا، کیونکہ مومن کو مشرک کی مغفرت مانگنے کی ممانعت ہے۔ خواہ وہ باپ ہی کیوں نہ ہو۔

سورۂ صفت

س:[2] مُبَشِّراً بِرَسُوْلٍ يَّأْتِىْ مِنْ بَعْدِى اسْمُهٗ اَحْمَدُ ۔بشارت دینے والا ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔ حضرت عیسیٰ نے اس بشارت میں آپ کا مشہور نام محمدؐ کیوں نہ لیا؟

ج: رسول اللہ کے یہ دونوں نام ہی۔ غالباً بشارت میں جو لفظ تھا اس کا صحیح ترجمہ بصیغۂ تفصیل ہے۔[1]

سورۂ جمعہ

س:[2] اِذَا نُوْدِىَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۔ جمعہ کے دن جب نماز کے لیے اذان ہو تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔ لیکن دوڑنا تو سنجیدگی کے خلاف ہے۔

---

[1] اس بیسویں صدی میں انجیل برناباس ملی ہے۔ اس کے عربی ترجمہ میں محمد کا لفظ ہے۔ یہ ترجمہ مصر کے ایک عیسائی عجاج نے دیانا کے کتب خانہ میں جا کر کیا جہاں یہ انجیل اسپنش زبان میں موجود ہے۔

Marfat.com

ج: سعی کے معنی دوڑنے کے نہیں بلکہ پیش قدمی کرنے کے ہیں۔ یہ لفظ قرآن میں کئی جگہ اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ ۔(صافات ۳) جب اسماعیل ان کی معیت میں کام کرنے لگا۔ دوسری جگہ ہے لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعیٰ۔(نجم ۳) انسان کے لیے وہی ہے جو اس نے کیا۔

سورۂ منافقون

س: اِذَا جَآءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ قَالُوا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰه وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ۔ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَكَاذِبُوْنَ ۔ جب منافق تیرے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کو علم ہے کہ تو حقیقت میں اس کا رسول ہے۔ اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ یہ منافق بالکل جھوٹے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ منافقوں کو سچی شہادت دینے پر بھی اللہ جھوٹا کہتا ہے؟

ج: اس لیے کہ جو کچھ وہ زبانوں سے کہتے تھے وہ ان کے دلوں میں نہ تھا۔ عرف عام میں صدق اس کو کہتے ہیں جو واقع کے مطابق ہو اور کذب اس کو جو واقع کے خلاف ہو۔ لیکن قرآن کے نزدیک صدق و کذب کا مدار زبان و قلب کی موافقت اور مخالفت پر ہے۔

سورۂ تغابن

س: وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ۔ جو اللہ پر ایمان لائے گا، اللہ اس کے قلب کو ہدایت دے گا۔ ایمان ہدایت کے بعد نصیب ہوتا ہے۔ اور ہدایت ایمان کے بعد نصیب ہوتی ہے۔ یہ تو دور لازم آتا ہے۔

ج: ہدایت کے مختلف مراتب ہیں جو سورۂ اعراف میں بیان کیے جا چکے ہیں۔ وہ ہدایت کا پہلا درجہ ہے جس سے ایمان ملتا ہے اور یہاں قلب کی ہدایت یعنی شرح صدر

Marfat.com

مراد ہے جو ایمان کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

سورۂ طلاق

س۱: والّٰئِ یَئِسۡنَ مِنَ الۡمَحِیۡضِ مِنۡ نِّسَاءِ کُمۡ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ فَعِدَّتُھُنَّ ثَلٰثَۃُ اَشۡھُرٍ وَّالّٰئِ لَمۡ یَحِضۡنَ ۔تمھاری بیویاں جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں، اگر تم کو شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔ اور ان کی بھی جن کو حیض نہیں آیا ہے۔ فقہاء نے ان عورتوں سے جن کو حیض نہیں آیا ہے نابالغ لڑکیاں مراد لی ہیں اور یہاں طلاق کی عدت بیان کی گئی ہے اور طلاق تو اسی کو ملے گی جس کا نکاح ہو چکا ہے۔ اس لیے نکاح صغیرہ کے جواز پر اس سے استدلال کیا ہے۔

ج: یہ استدلال صحیح نہیں۔ کیونکہ ہر زمانے میں ایسی بالغ عورتیں ہوتی ہیں جن کو عوارض کی وجہ سے حیض نہیں آتا۔ یہاں لَمۡ یَحِضۡنَ سے ایسی ہی عورتیں مراد ہیں، نہ کہ صغیرہ۔ کیونکہ صغیرہ کے ساتھ نکاح غیر فطرتی ہے، جس کا قرآن حکم نہیں دے گا۔ اس لیے کہ وہ دین فطرت لے کر آیا ہے۔ چنانچہ قرآن نے مَا یَحِضۡنَ نفی کا صیغہ نہیں استعمال کیا ہے بلکہ لَمۡ یَحِضۡنَ جحود کا صیغہ استعمال کیا ہے اور نفی اور جحود میں فرق ہے۔ مَاحضن کے معنی ہیں حیض نہیں آیا۔ لیکن لم یحضن کے معنی ہیں جن کو حیض نہیں آسکا۔ اس میں صرف وہ عورتیں آتی ہیں جو بالغ ہو چکی ہیں مگر عارضی موانع کی وجہ سے حیض نہیں آیا ہے۔

سورۂ تحریم

س۲: فَنَفَخۡنَا فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِنَا ۔ہم نے مریم میں اپنی روح پھونکی۔ یہاں ضمیر مذکر لائی گئی ہے اور سورہ انبیاء میں فَنَفَخۡنَا فِیۡھَا مِنۡ رُّوۡحِنَا ضمیر مونث ہے۔

ج: اس ضمیر کا مرجع مونث سماعی ہے جس کے لیے دونوں قسم کی ضمیریں آسکتی ہیں۔ جیسے نار مونث سماعی ہے۔ اس کے لیے سورہ سجدہ میں ہے ذُوۡقُوۡا عَذَابَ النَّارِ

Marfat.com

الَّذِیْ کُنْتُمْ بِهٖ تُکَذِّبُوْنَ اور سورسبا میں ہے ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِیْ کُنْتُمْ بِهَا تُکَذِّبُوْنَ۔

سورۂ ملک

سؑ: مَاتَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ۔ کیا اللہ کی تخلیق میں تو کوئی فرق دیکھتا ہے۔ کیوں نہیں فرق ہے۔ چھوٹے بڑے، اونچے نیچے اور خشک سبھی ہیں۔

ج: تفاوت کا مفہوم یہاں باہمی فرق نہیں ہے بلکہ نقص یا عیب ہے۔ جس کی تائید آگے کے جملے سے ہوتی ہے فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ۔ دوبارہ نظر ڈال کیا تو کوئی خلل دیکھتا ہے۔

سورۂ قلم

سؑ: یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّیُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ۔ جس دن حقیقت آشکارا ہو جائے گی اور وہ سجدہ کے لیے پکارے جائیں گے تو نہیں کر سکیں گے۔ کیا آخرت دار التکلیف ہے کہ وہاں سجدہ کا حکم ہوگا؟

ج: ٹھیک معلوم نہیں کہ آخرت میں کیا ہوگا؟ قرآن میں اشارات ضرور ہیں۔ مثلاً وہاں استقامت ہوگی۔ یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ۔ (ابراہیم ۴) اللہ مومنوں کو پختہ قول پر جمائے رکھے گا۔ دنیاوی زندگی اور آخرت میں بھی۔ وہاں صلاحیت ہوگی۔ وَآتَیْنَاهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ (عنکبوت ۳) ہم نے ابراہیم کو اس دنیا میں اس کا اجر عطا فرمایا اور وہ آخرت میں صلاحیت رکھنے والوں میں سے ہوگا۔ مومنوں کے متعلق بھی ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ۔ (عنکبوت ۱) جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے عمل صالح کیے ان کو ہم صالحین میں ضرور داخل کر دیں گے۔

Marfat.com

وہاں اتمام نور بھی ہے۔ مومن قیامت کے دن دعا کریں گے رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا۔ (تحریم ۲) اے ہمارے رب! ہمارے نور کو مکمل کردے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نشاۃ الثانیہ میں نیک بندوں کے لیے مقبول زندگی کا رخ آشکارا ہو جائے گا جسے دیکھ کر کافر چلائیں گے یَا لَیْتَنِی قَدَّمْتُ لِحَیَاتِی۔ (والفجر) کاش میں نے اپنی زندگی کے لیے پہلے کچھ کرلیا ہوتا۔

سورۂ حاقہ

س: وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِیْن۔ جہنمیوں کے لیے کوئی خوراک نہ ہوگی۔ مگر دُھووَن، شَجَرَةُ الزَّقُّوم طَعَامُ الْاَثِیْم۔ سینڈھ کا درخت گناہ گار کی غذا۔ تیسری جگہ لَیْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِیْع ان کا کوئی کھانا نہ ہوگا سوائے کنٹیلی جھاڑی کے۔ کیا ان میں تعارض نہیں ہے؟

ج: یہ جہنمیوں کے مختلف طبقات کی مختلف غذائیں ہیں ان میں باہمی تعارض کا خیال صحیح نہیں ہے۔

سورۂ معارج

س: اَلَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَائِمُوْن۔ جو اپنی نماز پر قائم ہیں۔ پھر اس کے آگے ہے وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ۔ جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔ دونوں میں ایک ہی بات معلوم ہوتی ہے۔ پھر دہرانے کی ضرورت کیوں ہوئی؟

ج: نماز پر مداومت کرنا اور چیز ہے اور اس کو حضور قلب کے ساتھ ادا کرنا اور چیز۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی پابندی کے ساتھ نماز ادا کرے لیکن توجہ الی اللہ کے شرائط پورے نہ کرے۔

Marfat.com

سورۂ نوح

س: وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ نَبَاتاً ۔اللہ نے تم کو زمین سے اگایا۔زمین سے تو نباتات اگائے جاتے ہیں نہ کہ حیوانات۔خاص کر انسان۔

ج: اس سے پہلے فرمایا ہے وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَاراً ۔اللہ نے کئی طور سے تم کو پیدا کیا انسان کی تخلیق کا سلسلہ لمبا ہے۔ہمارے سامنے جو کچھ ہے وہ یہ کہ نطفہ سے پیدا ہوتا ہے۔لیکن انسان تخلیق کے کتنے مدارج طے کر کے بنایا گیا ہے۔ان کا صحیح علم اللہ کو ہے۔قرآن میں جا بجا اس کی طرف اشارے ملتے ہیں۔

سورۂ جن

س: لَمَّا قَامَ عَبْدُاللّٰهِ ۔جب اللہ کا بندہ کھڑا ہوا کیوں نہ رسول کہا؟

ج: یہ جنوں کی جماعت تھی جو غالباً یہودی تھے کیونکہ سورۂ احقاف میں بھی یہی قصہ بیان گیا ہے جس میں ان جنوں نے کہا ہے کہ ہم نے موسیٰ کے بعد یہ سنا کہ ایک کتاب اتری ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور حق کی راہ دکھاتی ہے۔ یہ لوگ قرآن سن کر مسلمان ہو گئے۔انھوں نے عبداللہ کا لفظ مقام مدح میں استعمال کیا۔

سورۂ مزمل

س: اِنَّا سَنُلْقِیْ قَوْلاً ثَقِیْلاً ۔ہم اتاریں گے تجھ پر بھاری بات۔ کس حیثیت سے قرآن کو بھاری کہا گیا؟

ج: حقانیت کے لحاظ سے پہلے گزر چکا ہے کہ اگر اس قرآن کو ہم پہاڑ پر اتارتے تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔دوسری جگہ فرمایا نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ ۔(انبیاء۲) ہم حق کو اتارتے ہیں باطل پر۔وہ اس کے سر کچل دیتا ہے۔

Marfat.com

سورۂ مدثر

س۱: مَاذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلاً ۔فرشتے جو جہنم پر متعین ہیں،ان کی تعداد کو اللہ نے مثل کیوں فرمایا؟

ج: آل عمران میں یہ بیان گزر چکا ہے کہ جنت اور دوزخ متشابہات میں سے ہیں۔ان کے بارے میں جو بیانات ہیں وہ تمثیلی ہیں۔ایسا ہی جنت کی نہروں کا بیان سورہ محمدؐ میں تمثیلی ہے۔

سورۂ قیامہ

س۱: وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۔کچھ چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے۔اپنے رَب کو دیکھ رہے ہوں گے۔چہرے دیکھ رہے ہوں گے یا آنکھیں دیکھ رہی ہوں گی؟

ج: یہ ہر شخص جانتا ہے کہ چہروں میں آنکھیں ہوتی ہیں جو دیکھتی ہیں۔چہرہ کا لفظ یہاں تازہ روئی کے اظہار کے لیے لایا گیا ہے۔

سورۂ دھر

س۲: نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا اَسْرَهُمْ ۔ہم نے ان کو پیدا کیا اور ان کے جوڑ مضبوط باندھے اور دوسری جگہ ہے وَخَلَقَ الْاِنْسَانَ ضَعِيفاً ۔انسان کمزور پیدا کیا گیا۔

ج: انسان کے جوڑ رگوں اور پٹھوں سے باندھے گئے ہیں جو اس کی پوری عمر تک کام دیتے ہیں۔اس لیے یہ بندشیں مضبوط کہی گئی ہیں اور وہ ضعیف اس لحاظ سے ہے کہ اس میں نفس اور شیطان سے مقابلہ کرنے کی قوت کم ہے۔

Marfat.com

سورۂ مرسلات

س: ھٰذا یَومُ لَا یَنطِقُونَ وَلَا یُؤذَنُ لَھُم فَیَعتَذِرُونَ ۔ یہ وہ دن ہے کہ نہ بولیں گے اور نہ ان کو اجازت دی جائے گی کہ عذر پیش کریں۔ دوسری جگہ ہے یَومَ لَا یَنفَعُ الظّٰلِمِینَ مَعذِرَتُھُم ۔ (مومن ٦) اس دن ظالموں کو ان کی معذرت فائدہ نہ دے گی۔

ج: گنہ گار نہیں بولیں گے۔ دہشت کے مارے اور بولنے کی اجازت نہ ہوگی۔ کیونکہ ان کے ہاتھ اور پاؤں گواہی دے رہے ہوں گے، جن کو معذرت کی اجازت دی جائے گی وہ غلط ہونے کی وجہ سے کارآمد نہ ہوگی۔ جیسے مشرکوں کی بابت سورہ انعام میں گذر چکا ہے کہ جھوٹی قسمیں کھائیں گے کہ ہم مشرک نہ تھے قیامت میں مختلف قسم کے گناہ گاروں کے حالات مختلف ہوں گے۔

سورۂ نباء

س: وَیَقُولُ الکٰفِرُ یٰلَیتَنِی تُرَاباً ۔ کافر کہے گا کاش میں مٹی ہوتا۔ بالعموم مفسروں نے لکھا ہے کہ قیامت کے دن جانور حساب کے بعد مٹی بنا دیے جائیں گے۔ ان کو دیکھ کر جہنمی کہیں گے کہ کاش ہم بھی مٹی ہو جاتے۔ کیا یہ تفسیر صحیح ہے۔؟

ج: قرآن سے یہ بات نہیں ظاہر ہوتی کہ جانور قیامت کے دن حساب کے بعد مٹی بنا دیے جائیں گے۔ اس لیے یہ تفسیر کیسے صحیح کہی جا سکتی ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہولناک عذاب کو دیکھ کر وہ کہیں گے کہ کاش ہم مٹی ہی ہوتے، آدمی نہ بنائے گئے ہوتے۔

سورۂ تکویر

س: وَاِذَا المَوءُدَۃُ سُئِلَت بِاَیِّ ذَنبٍ قُتِلَت ۔ جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی

Marfat.com

سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ میں مار ڈالی گئی سوال کا دستور قاتل سے ہے نہ کہ مقتول سے؟

ج: یہ سوال قاتل کے سامنے اس کے جرم کے اظہار کے لیے ہوگا کیونکہ وہ تو یہی کہے گی کہ مجھے کچھ نہیں معلوم۔ جیسے حضرت عیسیٰ سے سوال کیا جائے گا ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (مائدہ ۱۱۶) کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنا لو۔ اللہ کے سوا۔ وہ جواب دیں گے کہ میں کیونکر وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے حق نہ تھا۔

س: اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ۔ بے شک یہ قول ہے ایک معزز رسول کا۔ قرآن قول الٰہی ہے۔ اس کو رسول کا قول کس لحاظ سے کہا گیا؟

ج: رسول سے مراد ہے روح الامین، جس کے ذریعے سے اللہ کا کلام رسول امین پر اترتا تھا۔ یہی بات سورہ حاقہ میں کہی گئی ہے۔ جس کے بعد تصریح کر دی گئی ہے۔ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ رب العلمین کا اتارا ہوا۔ وہی تصریح یہاں بھی کام دے گی۔

سورہ انفطار

س: یٰاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ الَّذِیْ خَلَقَكَ۔ اے انسان! کیوں بہک گیا تو اپنے رب کریم سے جس نے تجھ کو پیدا کیا ہے۔ اللہ نے اپنے صفات میں سے یہاں کریم کی صفت کو کیوں مخصوص فرمایا ہے؟

ج: انسان کی تخلیق اور اس کی پرورش اللہ کے ایسے نمایاں صفات ہیں جن کو ہر شخص دیکھتا ہے۔ اسی وجہ سے ان کا ذکر فرمایا۔ آگے سورہ علق میں انسان کو علم دینے پر اپنے کو رب اکرم بصیغہ تفضیل کہا ہے۔ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خلعت علم لباس وجود سے بھی زیادہ عزت کی چیز ہے۔

Marfat.com

س: یَوۡمَ لَاتَمۡلِکُ نَفۡسٌ لِنَفۡسٍ شَیۡئًا ۔اس دن کوئی کسی کا بھلا نہ کر سکے گا۔ اورلوگ شفاعت جو کریں گے؟

ج: شفاعت ساری اللہ کے ہاتھ میں ہے۔قُلۡ لِلّٰہِ الشَّفَاعَۃُ جَمِیۡعًا (زمر ۵) کہہ دے کہ ساری شفاعت اللہ ہی کے لیے ہے۔اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کر سکے گا۔اس لیے شفاعت کا بھی اللہ کے سوا کوئی مالک نہیں۔

سورۂ فجر

س: وَنَعَّمَہٗ فَیَقُوۡلُ رَبِیۡ اَکۡرَمَنِ ۔اللہ انسان کو نعمت دیتا ہے تو انسان کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھ کو عزت دی۔ یہ بات تو اس کی سچی ہے۔ پھر اس پر اس کی مذمت کیوں کی گئی۔

ج: وہ لوگوں کے سامنے یہ بات بطور تحدیث نعمت کے نہیں بلکہ بطور فخر کے کہتا ہے۔ سورہ زمر ۵ میں ہے اِذَا خَوَّلۡنَاہُ نِعۡمَۃً مِنَّا قَالَ اِنَّمَا اُوۡتِیۡتُہٗ عَلٰی عِلۡمٍ ۔جب ہم اپنی طرف کوئی نعمت اس کو دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ مجھ کو علم کی بدولت ملی ہے۔جیسے قارون نے کہا تھا انما اُوۡتِیۡتُہٗ عَلٰی عِلۡمٍ عِنۡدِیۡ۔ (قصص ۸) یہ مال مجھ کو میرے ایک ہنر کی بدولت ملا ہے۔

س: وَجَآءَ رَبُّکَ ۔آئے گا تیرا رب۔اللہ حرکت، جہت وغیرہ سے بری ہے۔اس کے آنے کے کیا معنی ہوئے؟

ج: اللہ کی ذات اور اس کی صفات آیات متشابہات میں سے ہیں جن پر صرف ایمان مطلوب ہے۔ان میں چون و چرا کی مطلق گنجائش نہیں ہے۔نہ ان کی کیفیت کی بابت سوال کیا جاسکتا ہے۔ان میں بحثیں کرنا سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھنا ہے۔

سورۂ بینہ

س: یَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَھَّرَۃً فِیۡھَا کُتُبٌ قَیِّمَہ ۔پڑھتا ہے پاک صحیفے جن

Marfat.com

میں لکھی ہوئی ہیں ہدایت کی باتیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے ہوئے تھے۔

ج: قرآن نے تصریح کر دی ہے کہ آنحضرت ﷺ ناخواندہ تھے۔ وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِيْنِكَ (عنکبوت ۵) اس سے پہلے سے نہ تو نے کوئی کتاب پڑھی تھی نہ اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا۔ یہاں جس تلاوت کا ذکر ہے وہ زبانی تھی۔ اللہ نے وعدہ کیا تھا سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى (سورہ اعلیٰ) ہم تجھ کو پڑھا دیں گے، پھر تو نہیں بھولے گا۔ نہ صرف یاد کرانے بلکہ اس کی حقیقت سمجھا دینے کا بھی۔ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْآنَهٗ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (سورہ قیامہ) ہمارے ذمے ہے اس کا یاد کرانا اور پڑھا دینا۔ جب ہم پڑھیں تو بھی ساتھ پڑھ پھر ہمارے ذمے ہے اس کی تشریح۔

سورہ زلزال

س: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔ جس نے ذرّہ بھر بھلائی کی ہے اس کو دیکھے گا اور جس نے ذرّہ بھر برائی کی ہے اس کو دیکھے گا۔ جب قیامت کے دن سارے گناہ دیکھنے پڑیں گے تو مغفرت اور معافی کے کیا معنی ہوئے؟

ج: گناہوں کی مغفرت نیکیوں کے باعث ہوتی ہے۔ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (ھود ۱۰) نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔ قیامت کے دن گناہ تو سب موجود ہوں گے لیکن ان کے مقابل کے پلڑے میں جب نیکیاں پڑیں گی تو گناہ کے وزن کو مٹا دیں گی۔ اسی طرح نیکیوں کے مقابل میں اگر گناہ زیادہ ہو گئے تو نیکیوں کا وزن جاتا رہے گا۔ اسی کا نام حبط عمل ہے۔ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا (کہف ۱۲) ان کے اعمال اکارت گئے۔

Marfat.com

ہم قیامت کے دن ان کے وزن نہیں قائم کریں گے۔

سورۂ فیل

س: فَاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۔ اللہ نے بھیجے ان کے اوپر جھنڈ کے جھنڈ پرند۔ اصحاف فیل کے اوپر کس قسم کے پرند بھیجے گئے اور کس غرض کے لیے؟

ج: اصحاب فیل عظیم الشان لشکر لے کر یمن سے کعبہ کو ڈھانے چلے تھے۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ چھپ کر غیر معروف راستہ سے آئیں تا کہ عربی قبائل اور خود مکہ والوں کو خبر نہ ہو سکے۔ ورنہ وہ لڑنے کے لے تیار ہو جائیں گے۔ اللہ نے ان کے اوپر کرگسوں کے جھنڈ کو ساتھ کر دیا جو بالعموم لاشوں کی امید میں ایسی فوجوں کے ساتھ ہو جایا کرتے ہیں۔ جس کا متعدد عربی شعرا کے اشعار میں تذکرہ ملتا ہے۔ یہی معنی طیر کے سورہ یوسف میں ہیں۔ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ دوسرا ساتھی سولی پر چڑھایا جائے گا۔ اس کا سر گدھ کھائیں گے۔ ان گدھوں کی وجہ سے اصحاب فیل کا فریب نہ چل سکا، جس کا بیان آگے کی آیت میں ہے۔ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۔ کیا اللہ نے ان کے داؤ کو بیکار نہیں کر دیا۔ اہل کعبہ مدافعت کے لیے آ گئے۔ لیکن وہ بھاری لشکر کا رو در رو مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے انھوں نے پہاڑ پر سے تین مقامات پر ان پر پتھراؤ کیا، جس کا ذکر آگے ہے۔ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ تو پھر پھینکتا تھا ان پر پتھر کے تَرْمِی واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ اس کا فاعل وہی مخاطب ہے جو شروع سورہ میں اَلَمْ تَرَ کا ہے۔ یعنی مکہ کے باشندے اسی کے ساتھ اصحاب فیل پر اللہ کا عذاب نازل ہوا جس سے ان کا بڑا حصہ ہلاک ہو گیا۔ باقی بھاگ گئے۔[1]

---

[1] اس سورہ کی تفسیر غلط روایات سے عجوبہ بنا لی گئی ہے۔ ہم نے اس کو کسی قدر مفصل اپنے مضمون "حقیقت حج" میں لکھا ہے جو ہمارے مجموعہ مضامین "نوادرات" میں شائع ہو چکا ہے۔

Marfat.com

سورۂ کافرون

س: لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ. وَلَا اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا اَعْبُد وَلَا اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ وَلَا اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا اَعْبُد ۔میں اس کو نہیں پوجوں گا جس کو تم پوجتے ہو اور نہ تم پوجتے ہو جس کو میں پوجتا ہوں ۔اور نہ میں پوجنے والا جس کو تم نے پوجا اور نہ تم پوجنے والے جس کو میں پوجوں ۔ایک ہی بات مکرر کیوں کہی گئی؟

ج: یہاں معنوی تکرار نہیں ہے۔ پہلا جملہ زمانۂ حال اور استقبال سے تعلق رکھتا ہے۔ اور دوسرا زمانۂ ماضی سے۔ کفار سے دینی قطع تعلق کے لیے یہ موکد طریق بیان اختیار کیا گیا ہے۔

س: مشرکین اپنے معبودوں کے ساتھ اللہ کو بھی تو پوجتے تھے۔

ج: اللہ کے ساتھ دوسروں کو ساجھی مان کر اس کی عبادت کرنا عبادت ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس سے نہ مغفرت حاصل ہوتی ہے نہ نجات۔ بلکہ ایسا شخص کافروں اور منکروں سے بھی گیا گزرا ہوا ہے۔

سورۂ والناس

س: اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ. مَلِكِ النَّاس. اِلٰهِ النَّاسِ ۔میں پناہ چاہتا ہوں انسانوں کے رَب، انسانوں کے مالک اور انسانوں کے معبود کے پاس۔ یہاں رَبِّ النَّاسِ کافی تھا۔جیسا کہ اس سے پہلی سورہ میں رَبِّ الْفَلَقْ پھر اس کے بعد مَلِكِ النَّاسِ اور اِلٰهِ النَّاسِ کہنے کی کیا ضرورت ہوئی؟

ج: اس دعا سے یہ تعلیم مقصود ہے کہ ربوبیت اور الوہیت ہر لحاظ سے اللہ کی توحید کی پناہ میں جو آجاتا ہے۔اس کو ہر قسم کے وسوسوں سے خواہ انسانی ہوں یا شیطانی، نجات مل جاتی ہے۔

تمت بالخیر

Marfat.com

نکاتِ قرآن

مولانا حافظ محمد اسلم جیراجپوری

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

Marfat.com